

اصلاحی خطبات

جلد ۲

- ☆ بیوی کے حقوق
- ☆ شوہر کے حقوق
- ☆ قربانی، حج، عشرہ ذی الحجہ
- ☆ سیرت النبی اور ہماری زندگی
- ☆ سیرت النبی کے جلے اور جلوس
- ☆ غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے
- ☆ نفس کی کشمکش
- ☆ مجاہدہ کی ضرورت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

میملا پبلشرز

اصلاحی خطبات

(۲)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



مطبوعہ و ترغیب
مکتبہ اشرفیہ

مچن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸ یات کلاں، کراچی ۴۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب	✎	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب	✎	محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت	✎	اکتوبر ۱۹۹۳ء
مقام	✎	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
باہتمام	✎	ولی اللہ میمن صاحب
ناشر	✎	میمن اسلامک پبلشرز
کیوزنگ	✎	عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر: ۱۳۵۷۵



ملنے کے پتے

✱	میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
✱	دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
✱	مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳
✱	ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۳
✱	کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
✱	اقبال بک سینٹر صدر کراچی

پیش لفظ

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اما بعد !

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد المیزان گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معلون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقریر کا ایک مجموعہ ”اصلاحی خطبات“ کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقدیر پر احقر نے نظر ملنی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقدیر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
 نفسے بیاد توی زخم، چہ عبارت وچہ معنم
 اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قدیمین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
عرض ناشر

الحمد للہ ”اسلامی خطبات“ کی دوسری جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد اول کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد ثانی کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف تین ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد ثانی کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکل کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمادے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ولی اللہ میمن
مبین اسلامک پبلشرز
لیات آباد۔ کراچی

۱۔ جمالی فہرست

۲۳	بیوی کے حقوق
۷۱	شوہر کے حقوق
۱۱۷	قرآنی، حج اور عشرہ ذی الحجہ
۱۴۹	سیرت النبی اور ہماری زندگی
۱۷۳	سیرت النبی کے جلسے اور جلوس
۱۸۹	غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے
۲۲۵	نفس کی کشمکش
۲۳۵	مجاہدہ کی ضرورت

تفصیلی فہرست مضامین

(۹) بیوی کے حقوق

- ۱ ”بیوی کے حقوق۔“ ۲۶
- ۲ حقوق العباد کی اہمیت۔ ۲۶
- ۳ حقوق العباد سے غفلت۔ ۲۶
- ۴ ”غیبت“ حقوق العباد میں داخل ہے۔ ۲۶
- ۵ ”احسان“ ہر وقت مطلوب ہے۔ ۲۷
- ۶ وہ خاتون جہنم میں جائے گی۔ ۲۸
- ۷ وہ خاتون جنت میں جائے گی۔ ۲۹
- ۸ مجلس کون؟۔ ۲۹
- ۹ حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے۔ ۳۰
- ۱۰ اسلام سے پہلے عورت کی حالت۔ ۳۰
- ۱۱ خواتین کے ساتھ حسن سلوک۔ ۳۱
- ۱۲ قرآن کریم صرف اصول بیان کرتا ہے۔ ۳۲
- ۱۳ گھریلو زندگی پورے تمدن کی بنیاد ہے۔ ۳۲
- ۱۴ عورت کی پیدائش نیرحمی پہلی سے ہونے کا مطلب۔ ۳۳
- ۱۵ یہ عورت کی مذمت کی بات نہیں۔ ۳۴
- ۱۶ عورت کی نیرحاپن ایک فطری تقاضہ ہے۔ ۳۴
- ۱۷ ”غفلت“ عورت کے لئے حسن ہے۔ ۳۵
- ۱۸ زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ ۳۶

- ۱۹..... سدے جھگڑوں کی جڑ۔ ۳۶
- ۲۰..... اس کی کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ ۳۷
- ۲۱..... ہر چیز خیر و شر سے مخلوط ہے۔ ۳۸
- ۲۲..... انگریزی کی کماوت۔ ۳۸
- ۲۳..... اچھائی تلاش کرو گے تو مل جائے گی۔ ۳۹
- ۲۴..... کوئی برائیاں قدرت کے کارخانے میں۔ ۳۹
- ۲۵..... عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو۔ ۳۹
- ۲۶..... ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ ۴۰
- ۲۷..... حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور نازک مزاجی۔ ۴۰
- ۲۸..... ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں۔ ۴۱
- ۲۹..... بیوی کو ملنا بد اخلاقی ہے۔ ۴۱
- ۳۰..... بیوی کی اصلاح کے تین درجات۔ ۴۲
- ۳۱..... بیوی کو مارنے کی حد۔ ۴۲
- ۳۲..... بیویوں کے ساتھ آپ کا سلوک۔ ۴۳
- ۳۳..... آپ کی سنت۔ ۴۳
- ۳۴..... حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت۔ ۴۳
- ۳۵..... طریقت، مجر خدمت خلق نیست۔ ۴۴
- ۳۶..... صرف دعویٰ کافی نہیں۔ ۴۴
- ۳۷..... خطبہ حجۃ الوداع۔ ۴۵
- ۳۸..... میں بیوی کے تعلقات کی اہمیت۔ ۴۶
- ۳۹..... عورتیں تمہارے پاس قیدی ہیں۔ ۴۶
- ۴۰..... ایک نادان لڑکی سے سبق لو۔ ۴۷

- ۴۱ ... عورت نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔
 ۴۸ ... اس کے علاوہ تمہارے ان پر کوئی مطالبہ نہیں ہے۔
 ۴۸ ... کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔
 ۵۰ ... ساس سسر کی خدمت واجب نہیں ہے۔
 ۵۰ ... ساس سسر کی خدمت اس کی سعادت مندی ہے۔
 ۵۰ ... بہو کی خدمت کی قدر کریں۔
 ۵۱ ... ایک عجیب واقعہ۔
 ۵۲ ... ایسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا۔
 ۵۲ ... شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے۔
 ۵۲ ... عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں۔
 ۵۳ ... دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔
 ۵۴ ... اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو!۔
 ۵۴ ... بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے۔
 ۵۵ ... خرچ میں فراخ دلی سے کام لینا چاہئے۔
 ۵۵ ... رہائش جائز، آسائش جائز۔
 ۵۶ ... آرائش بھی جائز۔
 ۵۶ ... نمائش جائز نہیں۔
 ۵۷ ... فضول خرچی کی حد۔
 ۵۷ ... یہ اسراف میں داخل نہیں۔
 ۵۸ ... ہر شخص کی کشادگی الگ الگ ہے۔
 ۵۸ ... اس محل میں خدا کو تلاش کرنے والا احمق ہے۔
 ۵۹ ... غلبہ حل کی کیفیت قابل تقلید نہیں۔

- ۶۳..... آمدنی کے مطابق کشادگی ہونی چاہئے۔
 ۶۴..... بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟
 ۶۵..... اس کا بستر چھوڑ دو۔
 ۶۶..... ایسی علیحدگی جائز نہیں۔
 ۶۷..... چار ماہ سے زیادہ سفر میں بیوی کی اجازت۔
 ۶۸..... بہترین لوگ کون ہیں؟
 ۶۹..... آج کے دور میں "خوش اخلاق"۔
 ۷۰..... "حسن اخلاق" دل کی کیفیت کا نام ہے۔
 ۷۱..... اخلاق پیدا کرنے کا طریقہ۔
 ۷۲..... اللہ کی بندیوں کو نہ مارو۔
 ۷۳..... حدیث ظنی یا قطعی۔
 ۷۴..... صحابہ کرام ہی اس لائق تھے۔
 ۷۵..... یہ عورتیں شیر ہو گئیں ہیں۔
 ۷۶..... یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔
 ۷۷..... دنیا کی بہترین چیز "نیک عورت"۔
 ۷۸..... ٹھنڈا پانی۔ ایک عظیم نعمت ہے۔
 ۷۹..... پانی ٹھنڈا پیا کرو۔
 ۸۰..... بری عورت سے پناہ مانگو۔

(۱۰) شوہر کے حقوق

- ۱..... شوہر کے حقوق
 ۲..... آج ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے
 ۳..... ہر شخص اپنے فرائض ادا کرے

۷۵	۴..... پہلے اپنی فکر کرو
۷۵	۵..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انداز
۷۷	۶..... زندگی استوار کرنے کا طریقہ
۷۷	۷..... بطیس کا دربار
۷۹	۸..... مرد عورتوں پر حاکم ہیں
۷۹	۹..... آج کی دنیا کا پردہ یکنشد
۷۹	۱۰..... سفر کے دوران ایک کو امیر بنالو
۸۰	۱۱..... زندگی کے سفر کا امیر کون ہو؟
۸۱	۱۲..... اسلام میں امیر کا تصور
۸۱	۱۳..... امیر ہو تو ایسا
۸۲	۱۴..... امیر وہ جو خادم ہو
۸۲	۱۵..... میں بیوی میں دوستی کا تعلق
۸۳	۱۶..... ایسا رعب مطلوب نہیں
۸۴	۱۷..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھئے
۸۵	۱۸..... بیوی کے ناز کو برداشت کیا جائے
۸۶	۱۹..... بیوی کی دلجوئی سنت ہے
۸۷	۲۰..... بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق
۸۸	۲۱..... مقام ”حضور“
۸۸	۲۲..... ورنہ گھر برباد ہو جائے گا
۸۹	۲۳..... عورت کے ذمہ داریاں
۹۰	۲۴..... زندگی قانون کے خشک تعلق سے نہیں گزر سکتی
۹۰	۲۵..... بیوی کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو

- ۹۱ ایسی عورت پر فرشتوں کی لعنت
- ۹۲ نقلی روزے کے لئے شوہر کی اجازت
- ۹۲ شوہر کی اطاعت نقلی عبادت پر مقدم ہے
- ۹۳ گھر کے کام کاج پر اجر و ثواب
- ۹۳ جنسی خواہش کی تکمیل پر ثواب
- ۹۴ اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں
- ۹۴ قضا و زودوں میں شوہر کی رعایت
- ۹۴ بیوی گھر میں آنے کی اجازت نہ دے
- ۹۶ حضرت ام حبیبہ کا اسلام لانا
- ۹۷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح
- ۹۷ متعدد نکاح کی وجہ
- ۹۸ غیر مسلم کی زبان سے تعریف
- ۹۸ مہلبے کی عمدہ شہنی
- ۹۹ آپ اس بستر کے لائق نہیں
- ۱۰۰ بیوی فوراً آجائے اور روٹی پکاتا چھوڑ دے
- ۱۰۰ نکاح جنسی تسکین کا حلال راستہ
- ۱۰۰ نکاح کرنا آسان ہے
- ۱۰۱ یرکت والا نکاح
- ۱۰۱ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا نکاح
- ۱۰۲ آج نکاح کو مشکل چیز بنا دیا گیا ہے
- ۱۰۳ جہیز موجودہ معاشرے کی ایک لعنت
- ۱۰۴ عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے

۱۰۴	۳۸..... یہ دو دلوں کا تعلق ہے
۱۰۵	۳۹..... سب سے زیادہ قابل محبت ہستی
۱۰۶	۵۰..... جدید تہذیب کی ہر چیز الٹی
۱۰۶	۵۱..... عورت کی ذمہ داری
۱۰۷	۵۲..... وہ عورت سیدھی جنت میں جائے گی
۱۰۸	۵۳..... وہ تہمدے پاس چند دن کا مہمان ہے
۱۰۸	۵۴..... مردوں کے لئے شدید ترین آزمائش
۱۰۹	۵۵..... عورت کس کس طرح آزمائش ہے؟
۱۱۰	۵۶..... ہر شخص نگہبان ہے
۱۱۱	۵۷..... ”حاکم“ رعایا کا نگہبان ہے
۱۱۱	۵۸..... ”خلافت“ ذمہ داری کا ایک بوجھ
۱۱۲	۵۹..... ”مرد“ بیوی بچوں کا نگہبان ہے
۱۱۳	۶۰..... ”عورت“ شوہر کے گھر اور اولاد کی نگہبان ہے
۱۱۳	۶۱..... خواتین حضرت فاطمہ کی سنت اختیار کریں
۱۱۵	۶۲..... خواتین کے لئے نسخہ کیمیا ”تبیح فاطمی“

(۱۱) حج اور قربانی

۱۲۰	۱..... یہ مقام ایک میٹرو فور تھا۔
۱۲۰	۲..... عبادت میں ترتیب۔
۱۲۱	۳..... ”قربانی“ شکر کا نذرانہ ہے۔
۱۲۲	۴..... دس راتوں کی قسم۔
۱۲۲	۵..... دس ایہم کی فنیلیت۔

- ۶..... ان ایام کی دو خاص عبادتیں۔
 ۱۲۳
 ۷..... بیل اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم۔
 ۱۲۴
 ۸..... محبوب کی مشابہت اختیار کر لو۔
 ۱۲۴
 ۹..... اللہ کی رحمت بہائیں ڈھونڈتی ہے۔
 ۱۲۵
 ۱۰..... تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے۔
 ۱۲۶
 ۱۱..... یوم عرفہ کا روزہ۔
 ۱۲۶
 ۱۲..... صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔
 ۱۲۶
 ۱۳..... تکبیر تشریق۔
 ۱۲۷
 ۱۴..... گنگا الٹی بنے لگی ہے۔
 ۱۲۸
 ۱۵..... شوکت اسلام کا مظاہرہ۔
 ۱۲۸
 ۱۶..... تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے۔
 ۱۲۹
 ۱۷..... قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہو سکتی۔
 ۱۲۹
 ۱۸..... دین کی حقیقت ”حکم کی اتباع۔“
 ۱۳۰
 ۱۹..... اب مسجد حرام سے کوچ کر جائیں۔
 ۱۳۰
 ۲۰..... کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں۔
 ۱۳۰
 ۲۱..... عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے۔
 ۱۳۱
 ۲۲..... قربانی کیا سبق دیتی ہے۔
 ۱۳۲
 ۲۳..... بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے۔
 ۱۳۲
 ۲۴..... جیسا بپ ویسا بیٹا۔
 ۱۳۲
 ۲۵..... چلتی چمڑی رک نہ جلے۔
 ۱۳۳
 ۱۶..... قدرت کا تماشا دیکھو۔
 ۱۳۴
 ۲۷..... اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے۔
 ۱۳۵

۱۳۵	۲۸..... حضرت ابراہیم نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی۔
۱۳۶	۲۹..... کیا قربانی معاشی جہی کا ذریعہ ہے؟
۱۳۶	۳۰..... قربانی کی اصل روح۔
۱۳۷	۳۱..... تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں۔
۱۳۷	۳۲..... سنت اود بدعت میں فرق۔
۱۳۸	۳۳..... مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟
۱۳۸	۳۴..... سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال۔
۱۴۰	۳۵..... حضرت ابو بکر و حضرت عمر کا نماز تہجد پڑھنا۔
۱۴۰	۳۶..... اعتدال مطلوب ہے۔
۱۴۱	۳۷..... اپنی تجویز فاکر دو۔
۱۴۱	۳۸..... پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے۔
۱۴۲	۳۹..... قربانی کی فضیلت۔
۱۴۲	۴۰..... ایک دستی کا قصہ۔
۱۴۲	۴۱..... ہماری عبادات کی حقیقت۔
۱۴۵	۴۲..... تم اس کے زیادہ محتاج ہو۔
۱۴۵	۴۳..... ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہئے۔
۱۴۶	۴۴..... کیا یہ پل صراط کی سولہاں ہوگی؟
۱۴۶	۴۵..... سپردم بتولیمہ خویش راہ
	(۱۲) سیرت النبی اور ہماری زندگی
۱۵۲	۱..... آپ کا تذکرہ باعث سعادت
۱۵۲	۲..... تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ
۱۵۳	۳..... ۱۲ رقبہ ناول اور صحابہ کرام

- ۴ ”کرسس“ کی ابتداء ۱۵۳
- ۵ ”کرسس“ کی موجودہ صورت، حل ۱۵۴
- ۶ ”کرسس“ کا انجام ۱۵۵
- ۷ عید میاں النبی کی ابتداء ۱۵۵
- ۸ یہ ہندوانہ جشن ہے۔ ۱۵۵
- ۹ یہ اسلام کا طریقہ نہیں ۱۵۶
- ۱۰ بننے سے سیٹا سوباؤلا ۱۵۶
- ۱۱ آپ کا مقصد بعثت کیا تھا؟ ۱۵۷
- ۱۲ انسان نمونے کا محتاج ہے ۱۵۸
- ۱۳ ڈاکٹر کے لئے ”ہاوس جاب“ لازم کیوں؟ ۱۵۸
- ۱۴ کتب پڑھ کر قوم نہ نہیں بنا سکتے ۱۵۹
- ۱۵ تنہا کتب کافی نہیں ۱۵۹
- ۱۶ تعلیمات نبوی کا نور درکار ہے ۱۶۰
- ۱۷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا نور ہیں۔ ۱۶۰
- ۱۸ آپ کی ذات ہر شعبہ زندگی کا نمونہ تھی۔ ۱۶۱
- ۱۹ مجلس کا ایک ادب ۱۶۱
- ۲۰ اتباع ہو تو ایسی۔ ۱۶۲
- ۲۱ میدان جنگ میں ادب کا لحاظ ۱۶۲
- ۲۱ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ۱۶۳
- ۲۲ اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ ۱۶۳
- ۲۳ ان امتوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟ ۱۶۳
- ۲۴ کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا ۱۶۵

- ۲۵..... اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے
۱۶۶
۳۶..... تلواریں دیکھ لی۔ بازو بھی دیکھ
۱۶۶
۲۷..... یہ ہیں فلح ایران۔
۱۶۷
۲۸..... آج مسلمان ذلیل کیوں؟
۱۶۸
۲۹..... بنے جانے سے جب تک ڈرو گے۔
۱۶۹
۳۰..... صاحب ایمان کے لئے ابتداء سنت لازم ہے
۱۶۹
۳۱..... اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔
۱۷۰
۳۲..... اللہ کے محبوب بن جاؤ۔
۱۷۰
۳۳..... یہ عمل کر لیں۔
۱۷۱
- (۱۳) سیرت النبی کے جلے اور جلوس
- ۱..... آپ کا ذکر مہلک
۱۷۶
۲..... سیرت طیبہ اور صحابہ کرام
۱۷۶
۳..... اسلام رسمی مظاہروں کا دین نہیں
۱۷۷
۴..... آپ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔
۱۷۷
۵..... ہماری نیت درست نہیں۔
۱۷۸
۶..... نیت کچھ اور ہے
۱۷۹
۷..... دوست کی بدافشانی کے ڈر سے شرکت
۱۸۰
۸..... مقرر کا جوش دیکھنا مقصود ہے
۱۸۰
۹..... وقت گزری کی نیت ہے
۱۸۱
۱۰..... ہر شخص سیرت طیبہ سے قائم نہیں اٹھا سکتا
۱۸۱
۱۱..... آپ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے
۱۸۲
۱۲..... سیرت کے جلے اور بے پردگی
۱۸۳

- ۱۸۳ سیرت کے جلے اور موسیقی
- ۱۸۴ سیرت کے جلے میں نمازیں قضا
- ۱۸۵ سیرت کے جلے اور ایذاء مسلم
- ۱۸۵ دوسروں کی نقل میں جلوں
- ۱۸۷ حضرت عمر اور حجر سود
- ۱۸۸ خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں۔
- ۱۹۲ وہ لوگ کمزور نہیں (۱۴) غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے
- ۱۹۳ اللہ کے محبوب کون؟
- ۱۹۳ محبوبانہ عتاب
- ۱۹۵ طالب مقدم ہے
- ۱۹۵ جنتی کون لوگ ہیں؟
- ۱۹۶ اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں
- ۱۹۷ جہنمی کون لوگ ہیں؟
- ۱۹۸ یہ بڑی فضیلت والے ہیں
- ۱۹۸ یہ فائدہ مست لوگ۔
- ۱۹۹ انبیاء کے متبعین
- ۲۰۰ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ
- ۲۰۱ نوکر آپ کی نظر میں
- ۲۰۲ جنت اور دوزخ کے درمیان مناظرہ
- ۲۰۳ جنت اور دوزخ کیسے کلام کریں گے؟
- ۲۰۳ قیامت کے روز اعضا کس طرح بولیں گے؟
- ۲۰۴ جہنم منکبترین سے بھر جائیگی۔

۲۰۵	۱۷ ... جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی
۲۰۵	۱۸ ... تکبر اللہ کو ناپسند ہے
۲۰۵	۱۹ ... تکبر کی مثل
۲۰۶	۲۰ ... کافر کو بھی حقارت سے مت دیکھو
۲۰۶	۲۱ ... حکیم الامت "کی تواضع
۲۰۷	۲۲ ... "تکبر" اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔
۲۰۷	۲۳ ... تکبر ایک خفیہ مرض ہے۔
۲۰۷	۲۴ ... پیری مریدی کا مقصد
۲۰۸	۲۵ ... روحانی علاج
۲۰۸	۲۶ ... حضرت تھانویؒ کا طریقہ علاج
۲۰۹	۲۷ ... تکبر کا راستہ جہنم کی طرف
۲۰۹	۲۸ ... جنت میں ضعفاء اور مساکین کی کثرت
۲۰۹	۲۹ ... انبیاء کے متبعین اکثر غریاء ہوتے ہیں۔
۲۱۰	۳۰ ... ضعفاء اور مساکین کون ہیں؟
۲۱۰	۳۱ ... مسکینی اور ملداری جمع ہو سکتی ہیں۔
۲۱۱	۳۲ ... فقر اور مسکینی الگ الگ چیزیں ہیں۔
۲۱۱	۳۳ ... جنت اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ
۲۱۲	۳۴ ... ایک بزرگ زندگی بھر نہیں بنے
۲۱۲	۳۵ ... مومن کی آنکھیں کیسے سو سکتی ہے؟
۲۱۲	۳۶ ... روح قبض ہوتے ہی مسکراہٹ آگئی۔
۲۱۳	۳۷ ... غفلت کی زندگی بری ہے۔
۲۱۳	۳۸ ... ظاہری صحت، وقوت اور حسن و جمال پر مت اتراؤ۔

۲۱۳	۳۹..... مسجد نبوی میں جہاز و دینے والی خاتون۔
۲۱۵	۴۰..... قنبر پر نماز جنازہ کا حکم
۲۱۵	۴۱..... قبریں اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں۔
۲۱۶	۴۲..... کسی کو حقیر مت سمجھو۔
۲۱۶	۴۳..... یہ پرانندہ بل والے۔
۲۱۷	۴۴..... غرباء کے ساتھ اہل اسلوک۔
۲۱۷	۴۵..... حضرت تھانویؒ کا اپنے خادم کے ساتھ برتاؤ۔
۲۱۸	۴۶..... کان و قافا عند حدود اللہ
۲۱۹	۴۷..... جنت اور دوزخ میں جانے والے
۲۲۰	۴۸..... مساکین جنت میں ہوں گے۔
۲۲۰	۴۹..... عورتیں دوزخ میں زیادہ کیوں ہوں گی؟
۲۲۱	۵۰..... شوہر کی ناشکری۔
۲۲۱	۵۱..... ناشکری کفر ہے۔
۲۲۲	۵۲..... شوہر کے آگے سجدہ۔
۲۲۲	۵۳..... جہنم سے بچنے کے دو گر
۲۲۳	۵۴..... ایسی عورت پر فرشتے کی لعنت
۲۲۳	۵۵..... زبان پر قابو رکھیں۔
۲۲۴	۵۶..... حقوق العباد کی اہمیت
۲۲۸	۱..... مجاہدے کا مطلب۔ (۱۵) نفس کی کش مکش
۲۲۸	۲..... انسان کا نفس لذتوں کا خوگر ہے۔
۲۲۹	۳..... خواہشات نفسانی میں سکون نہیں۔
۲۲۹	۴..... لطف اور لذت کی کوئی حد نہیں
۳۰	۵..... علانیہ زنا کاری

۲۳۰	۶..... امریکہ میں زنا بالجبر کی کثرت کیوں؟
۲۳۱	۷..... یہ پیاس بجھنے والی نہیں۔
۲۳۱	۸..... تھوڑی سی مشقت برداشت کر لو۔
۲۳۲	۹..... یہ نفس کمزور پر شیر ہے
۲۳۲	۱۰..... نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے
۲۳۳	۱۱..... نفس کو گناہوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے
۲۳۴	۱۲..... سکون اللہ کے ذکر میں ہے
۲۳۵	۱۳..... اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا
۲۳۵	۱۴..... اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے
۲۳۶	۱۵..... میں یہ تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے؟
۲۳۷	۱۶..... محبت تکلیف کو ختم کر دیتی ہے۔
۲۳۷	۱۷..... مولیٰ کی محبت لیلٰی سے کم نہ ہو
۲۳۸	۱۸..... تنخواہ سے محبت ہے
۲۳۹	۱۹..... عبادت کی لذت سے آشنا کر دو۔
۲۳۹	۲۰..... مجھے تو دن رات بے خودی چاہئے۔
۲۴۰	۲۱..... نفس کو کچلنے میں مزہ آئیگا
۲۴۰	۲۲..... ایمان کی حلاوت حاصل کر لو
۲۴۱	۲۳..... حاصل تصوف
۲۴۱	۲۴..... دل تو ہے ٹوٹنے کے لئے۔
۲۴۱	(۱۶) مجاہدہ کی ضرورت
۲۴۸	۱..... ”مجاہدہ“ کی حقیقت
۲۴۸	۲..... دنیوی کاسوں میں ”مجاہدہ“
۲۴۸	۳..... بچپن سے مجاہدہ کی علوت

- ۴..... جنت میں مجلہ نہ ہو گا
۲۴۹
- ۵..... علم جنم۔
۲۴۹
- ۶..... یہ عالم دنیا ہے
۲۵۰
- ۷..... یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کر لو
۲۵۱
- ۸..... اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آجائے
۲۵۱
- ۹..... اللہ ان کے ساتھ ہو گئے
۲۵۲
- ۱۰..... وہ کام آسان ہو جائے گا۔
۲۵۳
- ۱۱..... آگے قدم تو بڑھو۔
۲۵۳
- ۱۲..... جاز کاموں سے رکنا بھی مجلہ ہے
۲۵۴
- ۱۳..... جاز کاموں میں مجلہ کی کیا ضرورت؟
۲۵۵
- ۱۴..... چار مجلدات
۲۵۵
- ۱۵..... کم کھانے کی حد
۲۵۶
- ۱۶..... وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی
۲۵۷
- ۱۷..... نفس کو لذت سے دور رکھا جائے۔
۲۵۷
- ۱۸..... پیٹ بھرے کی مستی
۲۵۷
- ۱۹..... کم بولنا، ایک مجلہ ہے
۲۵۸
- ۲۰..... زبان کے گناہوں سے بچ جائیگا۔
۲۵۸
- ۲۱..... جاز تفریح کی اجازت ہے
۲۵۹
- ۲۲..... مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے
۲۵۹
- ۲۳..... اصلاح کا ایک طریقہ علاج۔
۲۶۰
- ۲۴..... کم سونا
۲۶۱
- ۲۵..... لوگوں سے تعلقات کم کرنا
۲۶۱

بیوی کے حقوق

اور اس کی حیثیت

جس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



مطبوعات مرتب
محمد عبد اللہ رحیمین

مبین اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت پور کراچی

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی عظیم العالی۔
محمد عبداللہ میمن۔

۲۹ مئی ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بعد نماز عصر۔
جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال، کراچی۔
پرنٹ ماسٹرز

خطاب:
ضبط و ترتیب:
تاریخ:
مقام:
کیوزنگ:

جب نکل کے دو بول پڑھ لینے کے بعد شوہر سے تعلق قائم ہو گیا۔
تو اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ میں کو اس نے
چھوڑا۔ باپ کو اس نے چھوڑا۔ بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا۔
اپنے گھر بار کو چھوڑا۔ اپنے خاندان کو چھوڑا، پورے کنبے کو
چھوڑا۔ اور شوہر کی ہو گئی۔ اب اس کے لئے اجنبی ماحول ہے۔
اجنبی گھر ہے۔ اور ایک اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کے لئے
وہ عورت مقید ہو گئی۔ کیا تم اس قرینہ کا لحاظ نہیں کرو گے؟ اگر
بالغرض معاملہ برعکس ہوتا اور تم سے کہا جاتا کہ تمہیں شادی کے بعد
اپنا خاندان چھوڑنا ہو گا۔ میں باپ چھوڑنے ہوں گے۔ اس وقت
تمہارے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔ اس کی اس قرینہ کا لحاظ کرو اور
اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

بیوی کے حقوق اور اس کی حیثیت

الحمد لله حمداً ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونثق به ونعوذ بالله
من شره، انفسنا ومن سينا، اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً
عبداً ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا
اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم
”وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“

(سورة النساء: ۱۹)

قال الله تعالى: ولن تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء، ولو حرصتم فلا تسيلوا كل بايل
فتدروها كالعلقة وان تصلحوا وتعتقوا فان الله كان غفوراً رحيماً

(سورة النساء: ۱۹)

”وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال! قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا
بالنساء خیراً فان المرأة خلقت من ضلع وان اعوج ما فی الضلع اعلاہ فان ذہبت فقیعہ کسرته
وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء۔“

(مجمع بخاری کتب الکلیح باب الدلالة مع النساء حدیث نمبر ۵۱۸۳)

حقوق العباد کی اہمیت

ان آیات قرآنیہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں علامہ نووی رحمہ اللہ علیہ حقوق العباد کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے جو حقوق ضروری قرار دیے ہیں اور جن کے تحفظ کا حکم دیا ہے۔ ان کا بیان یہاں سے شروع فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی یادِ بارِ عرض کر چکا ہوں کہ ”حقوق العباد“ دین کا بہت اہم شعبہ ہے اور یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ ”حقوق اللہ“ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خدا نخواستہ حقوق اللہ سے متعلق کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے (خدا نہ کرے) تو اس کا علاج بہت آسان ہے کہ انسان کو جب کبھی اس پر ندامت پیدا ہو تو توبہ و استغفار کر لینے سے معاف ہو جاتے ہیں، لیکن بندوں کے حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اگر اس پر کبھی ندامت ہو اور اس پر توبہ و استغفار کرے تب بھی وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک کہ حقدار کو اس کا حق نہ پہنچایا جائے، یا جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کر دے، اس لئے حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

حقوق العباد سے غفلت

حقوق العباد کا معاملہ جتنا سنگین ہے امدے معاشرے میں اس سے غفلت اتنی ہی عام ہے ہم لوگوں نے چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، تسبیح و تہلیل ان چیزوں کو تو ہم دین سمجھتے ہیں، لیکن حقوق العباد کو ہم نے دین سے خارج کیا ہوا ہے، اور اسی طرح معاشرتی حقوق کو بھی دین سے خارج کر رکھا ہے، اس میں اگر کوئی شخص کوتاہی یا غلطی کرتا ہے۔ تو اس کو اس کی سنگینی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

غیبت حقوق العباد میں داخل ہے

اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ (خدا نہ کرے) کوئی مسلمان شراب نوشی کی لت

میں مبتلا ہو۔ تو ہر وہ مسلمان جس کو ذرا سا بھی دین سے لگن ہو۔ وہ اس کو برا سمجھے گا اور خود وہ شخص بھی اپنے فعل پر نادم ہو گا کہ میں یہ ایک گناہ کا کام کر رہا ہوں، لیکن ایک دوسرا شخص ہے جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ اس غیبت کرنے والے کو معاشرے میں شراب پینے والے کے برابر برا نہیں سمجھا جاتا، اور نہ خود غیبت کرنے والا اپنے آپ کو گناہ گار اور مجرم خیال کرتا ہے۔ حالانکہ گناہ کے اعتبار سے شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، غیبت کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے، بلکہ غیبت اس لحاظ سے شراب پینے سے زیادہ سنگین ہے کہ اس کا تعلق حقوق "امداد" سے ہے، اور اس لحاظ سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس کی ایسی مثل دی ہے کہ دوسرے گناہوں کی ایسی مثال نہیں دی۔ چنانچہ فرمایا کہ غیبت کرنے والا ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا، لیکن اسی سنگینی کے باوجود یہ گناہ معاشرے میں عام ہو گیا ہے، شاید ہی کوئی مجلس اس گناہ سے خالی ہوتی ہو اور پھر اس کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا، گویا کہ دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

”احسان ہر وقت مطلوب ہے

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے۔ اور آکر بڑے فخریہ انداز میں خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ”احسان“ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ ”احسان“ ایک بڑا درجہ ہے جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

لَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَانِكَ تَرَاهُ فَلَنْ تَكُنِي
تَرَاهُ تَسَافَهُ مِسْوَاكُ .

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سول جبریل حدیث نمبر ۵۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح جیسے کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس خیال کے ساتھ عبادت کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہے ہیں، اس کو درجہ ”احسان“ کہا جاتا ہے۔ ان صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ مجھے ”احسان“ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مہلک باد دی کہ اللہ

تعلیٰ مبارک فرمائے، یہ تو بہت بڑی نعمت ہے، البتہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ ”احسان“ کا درجہ صرف نماز میں حاصل ہوتا ہے، اور جب بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے ہو اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت بھی آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے؟ یا یہ خیال اس وقت نہیں آتا؟ وہ صاحب جواب میں فرمانے لگے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ جب عبادت کرے تو اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں، وہ تو صرف عبادت میں ہے، ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ”احسان“ کا تعلق صرف نماز سے ہے، دوسری چیزوں کے ساتھ احسان کا کوئی تعلق نہیں، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اسی لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا اس لئے کہ آج کل عالم طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ”احسان“ صرف نماز ہی میں مطلوب ہے، یا ذکر و تلاوت ہی میں مطلوب ہے، حالانکہ احسان ہر وقت مطلوب ہے، زندگی کے ہر مرحلے اور شعبے میں مطلوب ہے، دکان پر بیٹھ کر تجارت کر رہے ہو وہاں پر ”احسان“ مطلوب ہے۔ یعنی دل میں یہ استخار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں جب اپنے ماموں کے ساتھ معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی ”احسان“ مطلوب ہے۔ جب بیوی بچوں اور دوست احباب اور پڑوسیوں سے معاملات کر رہے ہو۔ اس وقت بھی یہ استخار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، حقیقت میں ”احسان“ کا مرتبہ یہ ہے، صرف نماز تک محدود نہیں ہے۔

وہ خاتون جہنم میں جائے گی

خوب سمجھ لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہماری زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے، اسی واسطے روایت میں آتا ہے کہ حضور مقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون کے بارے میں پوچھا گیا کہ: یا رسول اللہ! ایک خاتون ہے۔ جو دن رات عبادت میں لگی رہتی ہے، نفل نماز اور ذکر و تلاوت بہت کرتی ہے، اور ہر وقت اسی میں مشغول رہتی ہے، اس خاتون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اس کا انجام کیسا ہو گا؟ تو آپ نے ان صحابہ کرام سے پوچھا کہ وہ خاتون پڑوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی

ہے؟ تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ پڑوسیوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے۔ پڑوس کی خواتین تو اس سے خوش نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خاتون جہنم میں جائے گی۔

(الادب المفرد للمبخاری ص ۳۸ رقم ۹۱۱ باب لا یؤذی جلدہ)

وہ خاتون جنت میں جائیں گی

پھر ایک ایسی خاتون کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا کہ جو نفل عبادت تو زیادہ نہیں کرتی تھی، صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرتی تھی، اور زیادہ سے زیادہ سنت موکدہ ادا کر لیتی۔ بس اس سے زیادہ فوائذ ذکر و تلاوت نہیں کرتی تھی۔ مگر پڑوسیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خاتون جنت میں جائے گی۔

(حوالہ بالا)

مفلس کون؟

ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگر کوئی شخص نفل عبادت کرے تو یہ بڑی اچھی بات ہے، اور اگر نفل عبادت نہ کرے تو آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے فلاں نفل عبادت کیوں نہیں کی۔ اس لئے کہ نفل کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کرے تو ثواب ملے گا۔ اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا، لیکن حقوق العبادہ چیز ہے کہ اس کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا اور اس پر جنت اور جہنم کا فیصلہ موقوف ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز بڑی مقدار میں نماز روزے لے کر آئیگا۔ لیکن دنیا میں کسی کا حق بد دیا، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی دل زادی کر دی تھی اور کسی کا دل دکھا دیا تھا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ اعمال لے کر آیا تھا۔ وہ سارے کے سارے دوسرے کو دے دیے۔ اور دوسروں نے بتلوا اس پر ذلیل دیئے

گئے۔ اس لئے حقوق العباد کا باب شریعت کا بہت اہم باب ہے۔

(ترمذی، باب ما جاء فی شأن الحساب والحسام، ابواب سہ، حدیث نمبر ۲۵۳۲)

حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے

اور یہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ”اسلامی فقہ“ جس میں شریعت کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کو اگر چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک حصہ عبادات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور بقیہ تین حصے حقوق العباد کے بیان میں ہیں، یعنی معاملات اور معاشرت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے ”ہدایہ“ کا نام سنا ہو گا جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد میں عبادات کا ذکر ہے۔ جس میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ باقی تین جلدیں معاملات، معاشرت اور حقوق العباد سے متعلق ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے۔ اس لئے یہ بڑا اہم باب شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو عمل کے جذبے سے پڑھنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے اور حقوق العباد کی اپنی رضا اور خوشنودی کے مطابق ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسلام سے پہلے عورت کی حالت

علامہ نووی رحمہ اللہ علیہ نے پہلا باب یہ قائم فرمایا ”باب الوصیۃ بالنساء“ یعنی ان نصیحتوں کے بارے میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق سے متعلق بیان فرمائی ہیں، اور سب سے پہلے یہ باب اس لئے قائم فرمایا کہ سب سے زیادہ بے اعتدالیاں اور سب سے زیادہ کوتاہیاں اس حق میں ہوتی ہیں۔ جب تک اسلام نہیں آیا تھا۔ اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہیں آئی تھیں اس وقت تک عورت کو ایسی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ جو معلوم اللہ گویا انسانیت سے خارج ہے اور اس کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک ہوتا تھا اس کو انسانیت کے حقوق

دینے سے لوگ انکار کرتے تھے۔ کسی بھی معاملے میں اس کے حقوق کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا جیسے کسی نے اپنے گھر میں بھیڑ بکری پال لی۔ بالکل اسی طریقے سے اپنے گھر میں ایک عورت کو لا کر بٹھا دیا۔ سلوک کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

خواتین کے ساتھ حسن سلوک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس دنیا کو جو آسمانی ہدایات سے بے خبر تھی خواتین کے حقوق کا احساس دلایا۔ کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قرآن کریم کی ایک آیت نقل فرمائی۔ جو اس باب میں جامع ترین آیت ہے۔
فرمایا کہ:

وَعَايِشُ رُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اس میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم خواتین کے ساتھ ”معروف“ یعنی نیکی کے ساتھ، اچھا سلوک کر کے زندگی گزاریں ان کے ساتھ اچھی معاشرت برتو، ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، یہ عام ہدایت ہے، یہ آیت گویا اس باب کا متن اور عنوان ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح اپنے اقوال اور افعال سے فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے ساتھ حسن سلوک کا اس درجہ اہتمام تھا کہ آپ نے فرمایا کہ:

”خياركم خياركم لنساءهم“

”واناخياركم لنسائي“

تم میں سے سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں، (ترمذی۔ باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، حدیث نمبر ۱۱۷۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اہتمام

تھا کہ بے شمار احادیث میں اس کی تشریح فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”استوصوا بالنساء خیراً“

میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں، تم میری اس نصیحت کو قبول کر لو۔

قرآن کریم صرف اصول بیان کرتا ہے

آگے پڑھنے سے پہلے یہاں ایک بات عرض کر دوں کہ قرآن کریم میں آپ یہ دیکھیں گے کہ عام طور پر قرآن کریم موٹے موٹے اصول بیان کرتا ہے، تفصیلات اور جزئیات میں نہیں جاتا۔ انہیں بیان نہیں کرتا، یہاں تک کہ نماز جیسا اہم رکن جو دین کا ستون ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے تہتر مقلت پر حکم دیا کہ نماز قائم کرو۔ لیکن نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی رکعتیں کتنی ہوتی ہیں؟ اور کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتی؟ یہ تفصیلات قرآن نے بیان نہیں کیں۔ یہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چھوڑ دیں۔ آپ نے اپنی امت سے بیان فرمائیں، اسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی قرآن کریم میں کم و بیش اتنی ہی مرتبہ آیا ہے، لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوتا ہے؟ کس پر فرض ہوتی ہے؟ کتنی فرض ہوتی ہے؟ کن کن چیزوں پر فرض ہوتی ہے؟ یہ تفصیلات قرآن کریم نے بیان نہیں کیں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چھوڑ دیں، معلوم ہوا کہ قرآن کریم عام طور پر اصول بیان کرتا ہے، تفصیلی جزئیات میں نہیں جاتا۔

گھر، بیوی زندگی، پورے تمدن کی بنیاد ہے

لیکن مرد و عورت کے تعلقات، خاندانی تعلقات ایسی چیز ہے کہ قرآن کریم

نے اس کے ہازک ہازک جزوی مسائل بھی صراحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ ایک ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے، اور پھر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ مرد و عورت کے جو تعلقات ہیں، اور انسان کی جو گھریلو زندگی ہے یہ پورے تمدن کی بنیاد ہوتی ہے۔ اور اس پر پورے تہذیب و تمدن کی عدلت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر مرد و عورت کے تعلقات استوار ہیں۔ خوشگوار ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو اس سے گھر کا نظام درست ہوتا ہے اور گھر کا نظام درست ہونے سے اولاد درست ہوتی ہے اور اولاد کے درست ہونے سے معاشرہ سنوڑتا ہے۔ اور اس پر پورے معاشرے کی عدلت کھڑی ہوتی ہے، لیکن اگر گھر کا نظام خراب ہو، اور میاں بیوی کے درمیان رات دن تو تومیں میں ہوتی ہو۔ تو اس سے اولاد پر برا اثر پڑے گا۔ اور اس کے نتیجے میں جو قوم تیار ہوگی اس کے بدلے میں آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کسی شامت قوم کے افراد بن سکتے ہیں یا نہیں۔ اس واسطے اس کو ”عائلی احکام“ یعنی گھر داری کے احکام کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کریم نے ان تعلقات کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بیان فرمایا ہے۔

عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہونے کا مطلب

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھی تشبیہ بیان فرمائی ہے، اور یہ اتنی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ ہے کہ ایسی تشبیہ ملنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حوا علیہا السلام کو انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا، اور بعض علماء نے اس کی دوسرے تشریح یہ بھی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی تشبیہ دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ عورت کی مثل پسلی کی سی ہے، کہ جس طرح پسلی دیکھنے میں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے، لیکن پسلی کا حسن اور اس کی صحت اس کے ٹیڑھا ہونے میں ہی ہے، چنانچہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ پسلی ٹیڑھی ہے اس کو سیدھا کر دوں تو جب اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ سیدھی تو

نہیں ہوگی البتہ ٹوٹ جائے گی، وہ پھر پہلی نہیں رہے گی اب دوبارہ پھر اس کو میڑھا کر کے پلستر کے ذریعہ جوڑنا پڑے گا۔ اسی طرح حدیث شریف میں عورت کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ:

ان ذہبت تقصیھا کسرتھا۔

اگر تم اسی پہلی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ پہلی ٹوٹ جائے گی۔

”وان سمعت بها استنعت ب و فیہا عوج“

اور اگر اس سے فائدہ اٹھایا ہو، تو اس کے میڑھے ہونے کے باوجود فائدہ اٹھانے کے یہ بڑی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، کہ اس کی صحت ہی اس کے میڑھے ہونے میں ہے اگر وہ سیدھی ہوگی تو وہ بہتر ہے صحیح نہیں ہے۔

یہ عورت کی مذمت کی بات نہیں ہے

بعض لوگ اس تشبیہ کو عورت کی مذمت میں استعمال کرتے ہیں کہ عورت میڑھی پہلی سے پیدا کی گئی ہے، لہذا اس کی اصل میڑھی ہے چنانچہ میرے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آتے ہیں جس میں کئی لوگ یہ لکھتے کہ یہ عورت میڑھی پہلی کی مخلوق ہے۔ گویا کہ اس کو مذمت اور برائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے

عورت کا میڑھا پن ایک فطری تقاضہ ہے

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا ہے، اور عورت کو کچھ اور اوصاف، دے کر پیدا فرمایا، دونوں کی فطرت اور سرشت میں فرق ہے، سرشت میں فرق، نہ کی، جب سے مرد عورت کے بدلے میں یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ میں صیغت اور فطرت۔ خلاف ہے، حالانکہ عورت کا تہمدی طبیعت کے خلاف ہونا یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ان کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ میڑھی ہو۔ کوئی شخص غلط فہمی میں نہ پڑے کہ اس کے پہلی کے اندر جو میڑھا پن ہے وہ اس کے اندر عیب ہے،

ظاہر ہے کہ وہ عیب نہیں، بلکہ اس کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ میز بھی ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تمہیں عورت میں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہو، اور اس کی وجہ سے تم اس کو میزھا سمجھ رہے ہو تو اس کو اس بناء پر کڈ نہ کرو بلکہ یہ سمجھو کہ اس کی فطرت کا مقتضی یہ ہے، اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ نوٹ جائے گی اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو میزھا ہونے کی حالت میں بھی فائدہ اٹھا سکو گے۔

”غفلت“ عورت کے لئے حسن ہے

آج المناک دنیا آگیا ہے، اس واسطے قدریں بدل گئیں ہیں، خیالات بدل گئے، ورنہ بات یہ ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب ہے، بسا اوقات وہ عورت کے حق میں حسن اور اچھائی بنتی ہے اگر ہم قرآن کریم کو غور سے پڑھیں تو قرآن کریم سے یہ بات نظر آ جاتی ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی، وہی چیز عورت کے بارے میں حسن قرار دی گئی۔ اور اس کو نیکی اچھائی کی بات کہا گیا۔ مثلاً مرد کے حق میں یہ بات عیب ہے کہ وہ جٹل اور غافل ہو۔ اور دنیا کی اس کو خبر نہ ہو، اس لئے کہ مرد پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کاموں کی ذمہ داری رکھی ہے، اس لئے اس کے پاس علم بھی ہونا چاہئے، اور اس کو باخبر بھی ہونا چاہئے، اگر باخبر نہیں ہے، بلکہ غافل ہے، اور غفلت میں مبتلا ہے تو یہ مرد کے حق میں عیب ہے لیکن قرآن کریم نے غفلت کو عورت کے حق میں حسن قرار دیا، چنانچہ سورۃ نور میں فرمایا:

إِنَّ الذَّيْبَ يُؤْمِنُ الْمُخَصَّصَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

(سورۃ نور: ۲۳)

”یعنی وہ لوگ جو ایسی عورتوں پر متعین آتے ہیں جو یا کداسن میں، اور غافل ہیں، یعنی دنیا سے بے خبر ہیں، تو ان سے بے خبری کو ایک حسن کی صفت کے طور پر قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت اگر دنیا کے کاموں سے بے خبر ہو۔ اور اپنے فرائض کی حد تک واقف ہو اور باقی معاملات سے نہ

جانتی ہو تو وہ عورت کے حق میں عیب نہیں، بلکہ وہ صفت حسن ہے، جس کو قرآن کریم نے صفت حسن کے طور پر ذکر فرمایا۔

زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو

لہذا جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی، وہ عورت کے حق میں عیب نہیں اور جو چیز مرد کے حق میں عیب نہیں تھی بعض اوقات وہ عورت کے حق میں عیب ہوتی ہے۔ اس لئے اگر تمہیں ان کے اندر کوئی ایسی چیز نظر آئے جو تمہارے لئے تو عیب ہے لیکن عورت کے لئے عیب نہیں تو اس کی وجہ سے عورت کے ساتھ برتاؤ میں خرابی نہ کرو، اس لئے کہ پہلی ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تمہاری طبیعت سے مختلف ہو تو اب اس کو زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

سارے جھگڑوں کی جڑ

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور آپ سے زیادہ مرد و عورت کی نفسیات سے کون واقف ہو سکتا ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جھگڑوں کی جڑ پکڑ لی کہ سارے جھگڑے صرف اس بنا پر ہوتے ہیں کہ مرد یہ چاہتا ہے کہ جیسا میں خود ہوں، یہ بھی ویسی بن جائے، تو بھائی! یہ تو ویسی بننے سے رہی، اگر ویسی بننا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی اس لئے اس فکر کو تو چھوڑ دو ہاں! جو چیز اس کے حق میں اس کے حالات کے لحاظ سے اس کی فطرت اور سرشت کے لحاظ سے اس کے لئے عیب ہیں، ان کی اصلاح کی فکر کرو، اور ان کی اصلاح کی فکر بھی مرد کی ذمہ داری ہے لیکن اگر تم یہ چاہو کہ وہ تمہارے مزاج اور طبیعت کے موافق ہو جائے، یہ نہیں ہو سکتا۔

اس کی کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی

اس باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لا یفرک مؤمن من منہ ان کثر منہا خلقا رضی منہا آخر۔

(صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب و غریب اصول بیان فرمایا۔ کہ کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بالکلیہ بغض نہ رکھے، یعنی یہ نہ کرے کہ اس کو بالکلیہ کڈم کر دے دے، اور یہ کہے کہ اس میں تو کوئی اچھائی نہیں ہے۔ اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہے تو اس کی دوسری کوئی بات پسند بھی ہوگی۔

پہلا اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جب دو انسان ایک ساتھ رہتے ہیں تو کوئی بات دوسرے کی اچھی لگتی ہے، اور کوئی بری لگتی ہے۔ اگر کوئی بات بری لگ رہی ہے تو اس کی وجہ سے اس کو علی الاطلاق برا نہ سمجھو، بلکہ اس وقت اس کے اچھے اوصاف کا استحضار کرو، اس کے اندر آخر کوئی اچھائی بھی تو ہوگی۔ بس اس اچھائی کا استحضار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یہ اچھائی تو اس کے اندر ہے، اگر یہ عمل کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر جو برائیاں ہیں۔ تمہارے دل کے اندر اس کی اتنی زیادہ اہمیت باقی نہ رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی ناشکرا ہے۔ اگر دو تین باتیں پسند ہوئیں اور بری لگیں بس! انہیں کوٹ کر بیٹھ گیا کہ اس میں تو یہ خرابی ہے۔ اس میں تو یہ خرابی ہے۔ اب اچھائی کی طرف دھیان نہیں۔ اس نے ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت اس کی برائیاں کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ بد سلوکی کرتا ہے۔

ہر چیز خیر و شر سے مخلوط ہے

دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے اندر برائی نہ ہو اور اس میں کوئی نہ کئی اچھائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا یہ بتائی ہے۔ اس میں ہر چیز کے اندر خیر اور شر مخلوط ہے۔ کوئی چیز اس کائنات میں خیر مطلق نہیں اور کوئی شر مطلق نہیں۔ اس میں خیر و شر ملے جلتے ہوتے ہیں۔ کوئی کافر ہے یا مشرک ہے یا کوئی برا انسان ہے، اگر اس کے اندر بھی اچھائی تلاش کرو گے تو کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور مل جائے گی۔

انگریزی کی ایک کماوت

انگریزی کی ایک کماوت ہے۔ اور ہمارے حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مکت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں وہ اس کو پائے۔ اسے لے لے“۔ لہذا انگریزی کی کماوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور غلط ہی ہو۔ بات بڑی حکیمانہ ہے، کسی نے کہا کہ ”وہ کھنڈ یا گھڑی جو بند ہو گئی ہو۔ وہ بھی دن میں دوبار چج بولتی ہے۔“ مثلاً فرض کرو کہ بارہ بج کر پانچ منٹ پر گھڑی بند ہو گئی، اب ظہر ہے کہ ہر وقت تو وہ صحیح ٹائم نہیں بتائے گی۔ بلکہ غلط بتائے گی۔ لیکن دن میں دو مرتبہ ضرور صحیح ٹائم بتائے گی۔ ایک دن میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر اور ایک رات میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر، تو دو مرتبہ وہ ضرور صحیح بولے گی۔

اچھائی تلاش کرو گے تو مل جائے گی

کماؤت کسے والے کا مقصد یہ ہے کہ چاہے کتنی بھی بیکار اور بری چیز ہو۔ لیکن اگر اس میں اچھائی تلاش کرو گے تو مل ہی جائے گی۔ اسی طرح دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اندر کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اقبال مرحوم کا ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے کہ ۔

نہیں ہے چیز کتنی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اپنی حکمت اور مشیت سے پیدا فرمائی ہے۔ اگر غور کرو گے تو ہر ایک کے اندر حکمت اور مصلحت نظر آئے گی لیکن ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ اس وجہ سے وہ بد دل ہو کر ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرتا ہے۔

عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

(سورۃ النساء: ۱۹)

کہ اگر تمہیں وہ عورتیں پسند نہیں ہیں جو تمہاری نکاح میں آگئیں، تو اگرچہ وہ تمہیں پسند ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت خیر رکھی ہو۔ اس لئے حکم یہ ہے کہ عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو اس سے تمہارے دل کو تسلی بھی ہوگی۔ اور بد سلوکی کے راستے بھی بند ہوں گے۔

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت لڑنے جھگڑنے والی تھی۔ ہر وقت لڑتی رہتی تھی۔ جب گھر میں داخل ہوتے بس لعنت ملامت لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا۔ کسی صاحب نے ان بزرگ سے کہا کہ دن رات کی جھک جھک اور لڑائی آپ نے کیوں پالی ہوئی ہے، یہ قصہ ختم کر دیجئے اور طلاق دیدیجئے۔ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھئی! طلاق دینا تو آسان ہے، جب چاہوں گا دیدوں گا بات دراصل یہ ہے کہ اس عورت میں اور تو بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کے اندر ایک وصف ایسا ہے۔ جس کی وجہ سے میں ان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ اگر بالفرض میں مگر قتل ہو جاؤں اور پچاس سال تک جیل میں بند رہوں تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کو جس کو نے میں بٹھا کر جاؤں گا اسی کو نے میں بیٹھی رہے گی۔ اور کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔ اور یہ وفاداری ایسا وصف ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہو گا بڑے ولی اللہ گزرے ہیں، اور ایسے نفیس مزاج اور نازک مزاج بزرگ تھے کہ اگر کسی نے صراحی کے اوپر گلاس ٹیڑھا رکھ دیا تو اس کو ٹیڑھا دیکھ کر سر میں درد ہو جاتا تھا۔ ایسے نازک مزاج آدمی تھے۔ ذرا بہتر شکلیں آجائیں تو سر میں درد ہو جاتا تھا۔ لیکن ان کو بیوی جو ملی وہ بڑی بد سلیقہ، بد مزاج، زبان کی پھوڑ، ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عجیب عجیب طریقے سے آزماتے ہیں اور ان کے درجہ بلند فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی لیکن انہوں نے ساری عمر ان کے ساتھ نبھایا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو شاید اس طرح معاف فرمادیں۔

ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں

ہماری حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ہندوستان پاکستان کے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ ان کے اندر وفاداری کا وصف ہے جب سے مغربی تہذیب و تمدن کا وہل آیا ہے اس وقت سے رفتہ رفتہ یہ وصف بھی ختم ہوتا جا رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے لیکن یہ اپنے شوہر پر جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور اس کی نگاہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑتی۔

بہر حال ان بزرگ نے حقیقت میں اسی حدیث پر عمل کر کے دکھلایا کہ

ان سکرۃ منها خلقا رضیٰ منها آخر

کہ اگر ایک بات ناپسند ہے اس عورت کی، تو دوسری بات پسند بھی ہوگی اس کی طرف دھیان اور خیال کرو اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، ساری خرابی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف نگاہ ہوتی ہے، اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں ہوتی۔

بیوی کو ملنا بد اخلاقی ہے

اس باب کی تیسری حدیث ہے:

عن عبد اللہ بن زمرۃ رضی اللہ عنہ اَنہ سمع النبی صلی اللہ علیہ

وسلم یخطب ثم ذکر النسا فوعظ فیہن فقال: العبد احدکم

فی جلد امر اَنہ جلد العبد فلعلہ یضاجعہا من آخریومہ۔

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ضرب النساء حدیث نمبر ۵۲۰۴)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبے میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، لیکن اس خطبے میں اس باب سے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بری بات ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرح ملتا ہے جیسے آقا اپنے غلام کو ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اسی سے اپنے جنسی خواہش

بھی پوری کرتا ہے یہ حتیٰ اخلاقی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طرح ملے جس طرح غلام کو ملا جاتا ہے۔

بیوی کی اصلاح کے تین درجات

جیسا کہ میں نے عرض کیا، قرآن کریم نے میں بیوی کے تعلقات کی چھوٹی چھوٹی جزئیات اور مسائل کا علم بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے میں بیوی کے درمیان چپقلش کا پہلا درجہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ شوہر و بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوگئی اس کا حل قرآن کریم نے یہ بتا دیا کہ جب ایک بات تمہیں ناپسند ہوگئی تو تم یہ دیکھو کہ دوسری بات اس کے اندر پسندیدہ ہوگی، اور پھر بھی اگر شوہر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر بدش بتمیں ایسی ہیں جو قابلِ برداشت نہیں ہیں بلکہ اصلاح کے لائق ہیں اور ظاہری ہے کہ مرد و اس بات کا بھی مکلف بنایا گیا ہے کہ اگر وہ بیوی میں کوئی بات قتلِ اصلاح اور بری دیکھتے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے لیکن اس کی اصلاح کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ وہ طریقہ قرآن کریم نے یہ بتا دیا کہ:

وَالَّتِي خَاوُونَ لُنَّ هُنَّ فَعَطَوْنَ وَاهْجَرُوهُنَّ فِي الْمَنَاصِعِ وَاصْبِرْنَ لَهُنَّ۔

(سورہ النساء: ۳۴)

سب سے پہلے تو ان کو نرمی خوش اخلاقی اور محبت سے نصیحت کرو، یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے، اگر نصیحت کے ذریعہ وہ باز آجائیں تو بس، اب آگے قدم نہ بڑھاؤ، اور اگر وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہو تو پھر اصلاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ سونا چھوڑ دو، اپنا بستر الگ کر دو، اگر ذرا بھی سمجھ ہوگی، فہم میں درنگی ہوگی تو اب باز آجائیں گی (بستر الگ کرنے کی تفصیل آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے)

بیوی کو ملنے کی حد

اور اگر اصلاح کا دوسرا درجہ بھی کامدگر ثلث نہ ہو تو پھر تیسرا درجہ اختیار کرو، وہ

ہے ملنا، لیکن مد کیسی ہونی چاہئے؟ اور کس قدر ہونی چاہئے؟ اس کے بارے میں حجة الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو آخری نصیحت فرمائی، ان میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ”واضربوہن ضرباً خیر مبرح“ یعنی اول تو مار کا مرحلہ آنا بھی نہیں چاہئے اور اگر آئے بھی تو اس صورت کو صرف اس وقت استعمال کیا جائے جب اسے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے، اس لئے کہ مار بالکل آخری چارہ کار ہے، اور اس میں یہ قید لگا دی کہ دو مار تکلیف دینے والی نہ ہو، یعنی اس مار سے تکلیف دینا مقصود نہ ہو بلکہ تاویب مقصود ہو اور اصلاح مقصود ہو اس لئے تکلیف دینے والی ایسی مار جائز نہیں جس سے نشان پڑ جائے۔ (مدنے کے بارے میں مزید تفصیل انشاء اللہ آگے مستقل حدیث کے تحت آ رہی ہے)

بیویوں کے ساتھ آپ کا سلوک

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت نو ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں تھیں اور وہ ازواج مطہرات آسمان سے نزل کئے ہوئے فرشتے نہیں تھے وہ اسی معاشرے کے افراد تھے اور ان کے درمیان وہ باتیں بھی ہوا کرتی تھیں جو سوکنو کے درمیان آپس میں ہوا کرتی ہیں۔ اور وہ مسائل بھی کھڑے ہوتے تھے جو بعض اوقات شوہر اور بیوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساری عمر نہ صرف یہ کہ کسی مخلوق پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ جب کبھی گھر کے اندر داخل ہوتے تو چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

آپ کی سنت

تو سرکار دو عالم کی سنت یہی ہے کہ ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، اور مدنے کی جو اجازت ہے، وہ ناگزیر حالات کے اندر ہے، ورنہ عام حالات میں تو مدنے کی اجازت بھی نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی نہیں ہے، سنت وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ اللہ ان تعالیٰ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین... ہمیں کبھی کبھی تعلیم کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ”آج میرے نکاح کو بچپن ۵۵ سال ہو گئے ہیں لیکن الحمد للہ کبھی اس بچپن سال کے عرصہ میں لہجہ بدل کر بات نہیں کی“ میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پانی پر تیرنے اور ہوا میں اڑنے کو کرامت سمجھتے ہیں اصل کرامت تو ہے کہ بچپن سال بیوی کے ساتھ زندگی گزاری۔ اور یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس میں یقیناً ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، یہ بات ممکن نہیں کہ ناگواری نہ ہوتی ہو، لیکن فرماتے ہیں کہ ”میں نے لہجہ بدل کر بات نہیں کی“ اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی اہلیہ اور ہماری پیرانی صاحبہ فرماتی ہیں کہ ساری عمر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ ”مجھے پانی پلا دو“ یعنی اپنی طرف سے کسی کام کا حکم نہیں دیا کہ یہ کام کرو میں خود اپنے شوق اور جذبے سے سعادت سمجھ کر ان کا خیال رکھتی اور ان کا کام کرتی تھی، لیکن ساری عمر زبان سے انہوں نے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ”میں نے تو اپنے آپ کو یہ سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہوں، اور اسی پر خاتمہ چاہتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے، جتنے میرے اہل تعلقات ہیں، ان کی خدمت میرے ذمے ہے میں مخدوم بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ دوسرے لوگ میری خدمت کریں، بلکہ میں خادم ہوں، اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے مریدین کا بھی خادم اور اپنے متعلقین کا بھی خادم ہوں اس لئے کہ بندے کے لئے خادمیت کا مقام اچھا ہے اس لئے میں خادم ہوں۔“ فرمایا کہ ۔

زنج و سجادہ و ولق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

طریقت در حقیقت خدمت خلق ہی کا نام ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں خادم ہوں۔ مخدوم نہیں ہوں۔ تو خادم دوسروں پر کیسے حکم

چلائے کہ یہ کام کر دو۔ سدی عمر اس طرح گزاری کہ جب ضرورت پیش آتی، خود کام کرتے، کسی سے نہیں کہتے۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع، ظاہری چیزوں میں تو ہم لوگ سنت کا اتباع کر لیتے ہیں۔ لیکن اخلاق میں معاملات میں معاشرت میں اور زندگی گزارنے کے طریقوں میں بھی سنت کی اتباع کرنی چاہئے۔

صرف دعویٰ کافی نہیں

اتباع سنت بڑی عجیب و غریب چیز ہے۔ یہ انسان کی دنیا بھی بناتی ہے اور آخرت بھی بناتی ہے، اور زندگی کو استوار کرتی ہے، اور یہ صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

وكل يدعي حبا للشيء

وليأتي لا تقربهم بذاك

(یعنی لپٹی سے محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کر رہا ہے، لیکن خود لپٹی ان کے اس دعوے کا اقرار نہیں کرتی ہے) یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اپنے اخلاق میں اپنے کردار میں اور اپنے عمل سے اس چیز کو اپنائے کہ جس کے ساتھ ادنیٰ تعلق بھی ہو گیا، اس کو اپنی ذات سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچائے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم نے بیوی کی اصلاح کا تیسرا درجہ جو بتایا ہے۔ اس کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی ہے کہ سدی عمر میں کبھی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، چاہے کتنی ناگوری کیوں نہ ہو گئی، اور ان لوگوں کو جو اپنی بیویوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، برے لوگ اور بدترین لوگ قرار دیا۔

عن عمرو بن الاخوص الجشي رضى الله عنه انه سمع النبي صلى الله

عليه وسلم في حجة الوداع يقول بعد ان حمد الله تعالى واشفى عليه

وذكر وعظ، ثم قال: الا واستوصوا بالنساء خيرا، فانما هن عوان

عندكم، ليس تملكون منهن شيئا غير ذلك، الا ان ياتين

بفاحشة مبينة. الخ

(ترمذی کتب النضر، باب ومن سوء الخصال، حدیث نمبر ۲۰۸۷)

خطبہ حجۃ الوداع

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ کا ایک اقتباس بیان کیا گیا ہے، یہ خطبہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج، حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا، اس خطبہ میں صراحتاً آپ نے یہ فرمادیا کہ شاید اس سال کے بعد میں تم کو یہاں نہ دیکھ سکوں، لہذا اس خطبہ میں آپ نے وہ باتیں جن جن کو ارشاد فرمائیں جن کے اندر امت کے پھسل جانے اور گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ تاکہ قیامت تک امت کے لئے ایک دستور العمل اور ایک لائحہ عمل سامنے آجائے؟ اور امت کی گمراہی سے بچنے راستے ہیں۔ اس خطبہ میں ان راستوں کو بند کرنے کی کوشش فرمائی۔

خطبہ تو بہت طویل ہے، لیکن اس خطبہ کے مختلف حصے مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی اسی خطبہ کا حصہ ہے، جس میں مرد و عورت کے باہمی حقوق کو بیان فرمایا گیا ہے پھر خاص کر مردوں کو عورتوں کے حقوق پہچاننے اور ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اب آپ ان حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں یہ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں ایسے موقع پر ارشاد فرما رہے ہیں جبکہ یہ خیال بھی ہے کہ آئندہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جن چیزوں کو بیان کرنے کے لئے منتخب فرمایا، اور جن باتوں کی اہمیت آپ نے محسوس فرمائی کہ امت کو ہر حل میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، ان میں مرد و عورت کے باہمی حقوق بھی داخل ہیں۔

میاں بیوی کے تعلقات کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی میں شوہر اور بیوی کے تعلقات کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اور خود صاحب شریعت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتنی اہمیت محسوس فرمائی ہے۔ کیونکہ اگر میاں بیوی آپس میں ایک دوسروں کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کریں۔ اور باہم تلخیوں پر کمر باندھ لیں تو اس کے ذریعہ صرف ایک دوسرے

کے حقوق ہی ضائع نہیں ہوتے، بلکہ بلا اثر اس کا اثر دونوں خاندانوں پر پڑتا ہے اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اولاد خراب ہوتی ہے اور چونکہ سلسلے تمدن کی بنیاد خاندان اور گھر پر ہے اس لئے اس کے نتیجے میں پورا تمدن بگڑ جاتا ہے، اس واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہمیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی۔

عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں

چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں فرمائی۔ اور وہ منہ حبیبہؓ کی طرف مائل اور پھر فرمایا کہ خوب سن لو میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں تم اس نصیحت کو قبول کر لو یہ وہی جملہ ہے جو پچھلی حدیث میں آیا تھا۔ اور انکا جواب یہ ہوا کہ فرمایا کہ فنا من عوان عند کم اس لئے کہ وہ خواتین تمہارے پاس تمہارے تھوڑے تھوڑے میں مقید رہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کا یہ ایک ایسا وصف بیان فرمایا کہ اگر مرد صرف اس وصف پر غور کرے تو اس کو کبھی ان کے ساتھ بہت سی کاحیل ملے نہ آئے۔

ایک نادان لڑکی سے سبق لو

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک نادان اور غیر تعلیم یافتہ لڑکی سے سبق لو کہ صرف دو بول پڑھ کر جب ایک شوہر سے تعلق قائم ہو گیا ایک نے کہا کہ میں نے نکل لیا۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا۔ اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لالچ رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا، باپ کو اس نے چھوڑا، بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا۔ ایسے خاندان کو یہ لڑکی اور پورے سب کو بھڑا اور غمناک ہو گئی۔ اور اس کے پاس آئے نتیجہ یہ کہ اس کی من نادانوں نے نکل لیا رکھی اور اتنی وقت ان دنوں۔ حضرت تھوڑی سی بات کہ ایک نادان بن جائے تو اس کے ہاں اتنا بھرم رکھتی ہے۔ سب ویسے ہی رہا یہ دنوں۔ بن تمہارے یہ میں یہ کہتا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

پڑھ کر اس اللہ کے ہو جاؤ جس کے لئے یہ دو بول پڑھے تھے۔ تم سے تو وہ نادان لڑکی تھی کہ یہ دو بول پڑھ کر اس کا اتنی لاج رکھتی ہے، تم سے اتنی لاج بھی نہیں رکھی جاسکتی کہ اس اللہ کے ہو جاؤ۔

عورت نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔

تو اس حدیث میں حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ دیکھو کہ اس نے تمہاری خاطر کتنی بڑی قربانی دی۔ اگر بالفرض معاملہ برعکس ہوتا۔ اور تم سے یہ کہا جاتا کہ تمہاری شادی ہوگی، لیکن تمہیں اپنا خاندان چھوڑنا ہوگا۔ اپنے ماں باپ چھوڑنے ہوں گے۔ تو یہ تمہارے کے لئے کتنا مشکل کام ہوتا، ایک اجنبی ماحول، اجنبی گھر، اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نہا کے لئے وہ عورت مقید ہو گئی۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ کیا تم اس قربانی کا لحاظ نہیں کرو گے؟ اس قربانی کا لحاظ کرو، اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

اس کے علاوہ تمہارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں

اس کے بعد بڑا سنگین جملہ لڑ شاد فرمادیا، جب کبھی اس جملے کی تشریح کی نوبت آتی ہے تو مرد لوگ غلامی ہو جاتے ہیں وہ جملہ یہ ہے کہ :

لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ

یعنی تمہیں ان پر صرف اتنا حق حاصل ہے کہ وہ تمہارے گھر میں رہیں، اس کے علاوہ شرعاً ان پر تمہارا کوئی مطالبہ نہیں۔

کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں

اسی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا جو بڑا مذاک مسئلہ ہے۔ جس کے

بیان کرنے سے بہت سے لوگ ناراض ہو جاتے ہیں، وہ مسئلہ یہ ہے کہ گھر کا کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔ یعنی شرعیہ فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا کہ وہ ضرور کھانا پکائیں۔ بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان عورتوں کی ہے جو اپنے گھر میں اپنے میکے میں بھی گھر کا کام کیا کرتی تھیں۔ اور دوسری قسم کی عورتیں وہ ہیں۔ جو اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتیں تھیں۔ بلکہ نوکر چاکر تھے۔ وہ کھانا پکاتے تھے۔ اگر دوسری قسم کی عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر آجائے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا کسی طرح بھی واجبہ نہیں نہ دیانتاً نہ قضاء، نہ اخلاقاً نہ شرعاً، بلکہ وہ عورت شوہر سے کہہ سکتی ہے کہ میرا عقد تو تمہارے ذمہ واجب ہے بجائے اس کے کہ میں کھانے پکاؤں تم میرے لئے پکا پکایا کھانا لا کر دو چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ:

یا تھا بطعام مویثا

اس صورت میں پکا پکایا کھانا لا کر عورت کو دینا یہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اور اس عورت سے نہ قضاء کھانا پکانے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ دیانتاً، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور واضح الفاظ میں یہ فرمایا:

لیس تملکون منهن شیئا غیر ذلک

یعنی تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو اپنے گھر پر رکھو اور تمہاری اجازت کے بغیر ان کو گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان پر کوئی ذمہ داری شرعی نہیں ہے۔

اور اگر وہ پہلی قسم کی عورت ہے یعنی جو اپنے گھر میں کھانا پکاتی تھی۔ اور کھانا پکاتی ہوئی شوہر کے گھر آئی ہے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا قضاء واجب نہیں ہے۔ لیکن دیانہ واجب ہے۔ یعنی برہر عدالت تو اس سے کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں البتہ اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کھانا خود پکائے۔ اس صورت میں شوہر کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کھانا پکانے کا سامان اکر دے دے۔ باقی شوہر یا بچوں کے لئے کھانا پکانا۔ یہ اس کی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ اور یہ عورت شوہر سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ تم میرے لئے پکا پکایا کھانا لا کر دو۔ لیکن اگر وہ شوہر اور بچوں کے لئے کھانا پکانے سے انکار کر دے تو اب اس سے عدالت کے زور پر کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، فقہاء کرام

نے اتنی تفصیل کے ساتھ یہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ساس، سر کی خدمت واجب نہیں

ایک بات اور سمجھ لیجئے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں تو شوہر کے جوں باپ اور بہن بھائی ہیں ان کے لئے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی۔ تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ سو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے، اور ہمارا حق پہلے ہے، لہذا یہ سو ہماری خدمت ضرور کرے۔ چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے، اور پھر اس کے نتیجے میں ساس، سو، بہن اور منوں کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

ساس، سر کی خدمت اس کی سعادت مندی ہے

خوب سمجھ لیجئے۔ اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمے واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے، البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر انجام دے، لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے، جبکہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو۔ اور نہ والدین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے، لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی انشاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا۔ اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہئے۔ تاکہ گھر کی فضا خوش گوار رہے۔

بہو کی خدمت کی قدر کریں

لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر یہ

خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک ہے اسکا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض واجب نہیں ہے۔ لہذا ان کو چاہئے کہ وہ بسوکی اس خدمت کی قدر کریں۔ اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں۔ ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں۔ ساس بسوکی اور بہانوں اور منہوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیئے، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔

ایک عجیب واقعہ

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک دن بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ میرے متعلقین میں ایک صاحب تھے۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں میری مجلس میں آیا کرتے تھے اور کچھ اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک مرتبہ اپنے گھر میری دعوت کی چنانچہ میں ان کے گھر گیا، اور جا کر کھانا کھایا اور کھانا بڑا اچھا بنا ہوا تھا۔ ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ ہی عادت تھی کہ جب کھانا کھاتے تو کھانے کے بعد کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف کرتے کہ تم نے بہت اچھا کھانا پکایا، تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو اس کا دل بڑھے۔ چنانچہ جب حضرت والا کھانا کھا کر قدر غ ہوئے تو وہ خاتون پر دے کے پیچھے آئیں اور آخر حضرت والا کو سلام کیا تو حضرت والا نے فرمایا تم نے بڑا لذیذ کھانا اور اچھا کھانا بنایا کھانا کھانے میں بڑا مزہ آیا حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ جملہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کی سسکیاں لینے اور رونے کی آواز آئی میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں کہ میری کس بات سے ان کو تکلیف پہنچی اور ان کا دل ٹوٹا میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے اپنے رونے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت: آج مجھے ان شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں لیکن اس پورے عرصے میں کبھی میں نے ان کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا کہ ”آج کھانا اچھا بنا ہے“ آج جب آپ کے منہ سے یہ جملہ سنا مجھے رونا آگیا۔

ایسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا۔

حضرت والا بکثرت یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ وہ شخص یہ کام ہرگز نہیں کر سکتا جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانے پکانے کی جو خدمت انجام دے رہی ہے، یہ اس کا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے جو وہ میرے ساتھ کر رہی ہے، لیکن جو شخص اپنی بیوی کو ذکر اور خادم سمجھتا ہو کہ یہ میری خادمہ ہے، اس کو تو یہ کام ضرور انجام دینا ہے۔ کھانا پکانا اس کا فرض ہے۔ اگر کھانا اچھا پکھڑ رہی ہے تو اس پر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا شخص کبھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں کرے گا۔

شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے

ایک مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین ضعیف ہیں۔ یا بیلر ہیں۔ اور ان کو خدمت کی ضرورت ہے، گھر میں صرف بیٹا اور بہو ہے، اب کیا کیا جائے؟ اس صورت میں بھی شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بہو کے ذمے واجب نہیں کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت کرے، البتہ اس کی سعادت اور خوش نصیبی ہے، اور اجر و ثواب کا موجب ہے، اگر خدمت کرے گی۔ تو انشاء اللہ بڑا ثواب حاصل ہو گا۔ لیکن بیٹے کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کام میرا ہے۔ مجھے چاہئے کہ اپنے والدین کی خدمت کروں، اب چاہے وہ خدمت خود کرے، یا کوئی نوکر اور خادمہ رکھے، لیکن اگر بیوی خدمت کر رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک اور احسان سمجھنا چاہئے۔

عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں

لیکن ایک قانون اس کے ساتھ اور بھی سن لیں، ورنہ معاملہ الٹا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ لوگ جب ایک طرفہ بات سن لیتے ہیں تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کیا کہ کھانا پکانا عورت کے ذمہ شرعاً واجب نہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ یہ تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لئے کہیں جانا جائز نہیں۔

لہذا جس طرح فقہاء کرام نے کھانا پکانے کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس طرح فقہاء نے یہ قانون بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر عورت سے یہ کہہ دے کہ تم گھر سے باہر نہیں جا سکتیں۔ اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نہیں جا سکتیں۔ حتیٰ کہ اس کے والدین سے بھی ملنے کے لئے جانے سے منع کر دے تو عورت کے لئے ان سے ملاقات کے لئے گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر والدین اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آجائیں تو اب شوہر ان والدین کو ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا، لیکن فقہاء نے اس کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس کے والدین ہفتے میں ایک مرتبہ آئیں اور ملاقات کر کے چلے جائیں۔ یہ اس عورت کا حق ہے۔ شوہر اس سے نہیں روک سکتا، لیکن اجازت کے بغیر اس کے لئے جانا جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح توازن برابر کیا ہے کہ عورت کے ذمے قانونی اعتبار سے کھانا پکانا واجب نہیں تو دوسری طرف قانونی اعتبار سے اس کا گھر سے باہر نکلنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں

یہ قانون کی بات تھی۔ لیکن حسن سلوک کی بات یہ ہے کہ وہ اس کی خوشی کا خیال رکھے۔ اور یہ اس کی خوشی کا خیال رکھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کے تمام کام انجام دیتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کے تمام کام انجام دیتی تھیں۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ دونوں میں بیوی قانون کی بدیلیوں میں ہر وقت نہ پڑے رہیں۔ بلکہ شوہر بیوی کے ساتھ اور بیوی شوہر کے ساتھ خوش اسلوبی کا معاملہ کرے۔ اور یہ فطری تقسیم بھی ہے کہ گھر کے کام بیوی کے ذمے اور باہر کے کام شوہر کے ذمہ ہوں۔ اس طرح دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو؟

الا ان یاتین، بفاحشة مبینة فان فعلن فاهجرهن فی المصالح
واضریوھن ضربا غیر مبرح۔ فان اطعن فلا تقبوا علیھن سبیلا۔

ہاں! اگر وہ عورتیں گھر میں کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو وہ بے حیائی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں اس صورت میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے نسخے کے مطابق پہلے ان کو نصیحت کرو۔ اور اس کے بعد اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا ہسٹر لگ کر دو۔ اور پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو بدرجہ سرجوبوکی اس بے حیائی پر مارنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو۔ اور اس کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں۔ اور باز آجائیں تو اب اس کے بعد کوئی راستہ ان کے خلاف تلاش نہ کرو، یعنی ان کو مزید تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں۔

”الا وحقھن علیکھ ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن و طعامھن“

خبردار: ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، ان کے لباس میں اور ان کے کھانے میں اور ان کی دوسری ضروریات جو تمہارے ذمہ واجب ہیں تم ان میں احسان سے کام لو، صرف یہ نہیں کہ انتہائی ناگزیر ضرورت پوری کر دی، بلکہ احسان، فراخ دلی اور کشادگی سے کام لو اور ان کے لباس اور کھانے پر خرچ کرو۔

بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے

یہاں دو تین باتیں اس سلسلے میں عرض کرنی ہیں، جن پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواظف میں جا بجا زور دیا ہے۔ اور عام طور پر ان باتوں کی طرف سے غفلت پائی جاتی ہے۔ پہلی بات جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ نفقہ صرف یہ نہیں ہے کہ بس! کھانے کا انتظام کر دیا، اور کپڑے کا انتظام کر دیا۔ بلکہ نفقہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ کھانے اور کپڑے کے علاوہ بھی کچھ رقم بطور جیب خرچ کے بیوی کو دی جائے۔ جس کو وہ آزادی کے ساتھ اپنی خواندہ کے مطابق صرف کر سکے۔ بعض لوگ کھانے اور کپڑے کا تو انتظام کر دیتے ہیں۔ لیکن جیب خرچ

کا اہتمام نہیں کرتے، حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جیب خرچ دینا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جس کو بیان کرتے ہوئے بھی انسان شرماتا ہے، یا اس کو بیان کرتے ہوئے الجھن محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ رقم بیوی کے پاس ایسی ضروریات کے لئے بھی ہونی چاہئے، تاکہ وہ دوسرے کی محتاج نہ ہو، یہ بھی فقہ کا ایک حصہ ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جو لوگ یہ جیب خرچ نہیں دیتے، وہ اچھا نہیں کرتے۔

خرچہ میں فراخ دلی سے کام لینا چاہئے

دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں اچھا سلوک کرو، یہ نہ ہو کہ صرف ”توت لایموت“ دیدی، یعنی اتنا کھانا دیدیا جس سے موت نہ آئے۔ بلکہ احسان کرو، اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آمدنی کے معیار کے مطابق فراخی اور کشادگی کے ساتھ گھر کا خرچہ اس کو دے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خلیجان رہتا ہے کہ شریعت میں ایک طرف تو فضول خرچی اور اسراف کی ممانعت آئی ہے، اور دوسری طرف یہ حکم دیا جلد ہا ہے کہ گھر کے خرچ میں تنگی مت کرو، بلکہ کشادگی سے کام لو اب سوال یہ ہے کہ دونوں میں حد فاصل کیا ہے؟ کونسا خرچہ اسراف میں داخل ہے اور کونسا خرچہ اسراف میں داخل نہیں؟

رہائش جائز آسائش جائز

اس خلیجان کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گھر کے بارے میں فرمایا کہ ایک ”گھر“ وہ ہوتا ہے جو قابل رہائش ہو۔ مثلاً جھوپڑی ڈال دی، یا چھپر ڈال دیا، اس میں بھی آدمی رہائش اختیار کر سکتا ہے۔ یہ تو پسلا درجہ ہے، جو بالکل جائز ہے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہو، اور ساتھ میں آسائش بھی ہو، مثلاً پختہ مکان ہے۔ جس میں انسان آرام کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اور گھر میں آسائش کے لئے کوئی کام کیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور یہ بھی اسراف میں داخل نہیں مثلاً ایک شخص ہے وہ

جھوپڑی میں بھی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور دوسرا شخص جھوپڑی میں نہیں رہ سکتا اس کو توڑنے کے لئے پختہ مکان چاہئے۔ اور پھر اس مکان میں بھی اسکو پنکھا اور بجلی چاہئے۔ اب اگر وہ شخص اپنے گھر میں پنکھا اور بجلی اس لئے لگاتا ہے تاکہ اس کو آرام حاصل ہو۔ تو یہ اسراف میں داخل نہیں۔

آرائش بھی جائز

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مکان میں آرائش کے ساتھ آرائش بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص کا پختہ مکان بنا ہوا ہے۔ پلاستر کیا ہوا ہے بجلی بھی ہے پنکھا بھی ہے۔ لیکن اس مکان پر رنگ نہیں کیا ہوا ہے، اب ظاہر ہے کہ رہائش تو ایسے مکان میں بھی ہو سکتی ہے لیکن رنگ و روغن کے بغیر آرائش نہیں ہو سکتی، اب اگر کوئی شخص آرائش کے حصول کے لئے مکان پر رنگ و روغن کرائے تو شرعاً وہ بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رہائش جائز، آرائش جائز، اور آرائش کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے کوئی کام کر لے، تاکہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہو، دیکھ کر دل خوش ہو جائے۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، شرعاً یہ بھی جائز ہے۔

نمائش جائز نہیں۔

اس کے بعد چوتھا درجہ ہے ”نمائش“ اب جو کام کر رہا ہے اس سے نہ تو آرام مقصود ہے، نہ آرائش مقصود ہے۔ بلکہ اس کام کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ مجھے بڑا دولت مند سمجھیں اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہے، اور تاکہ اس کے ذریعہ دوسروں پر اپنی فوقیت جتلاؤں، اور اپنے آپ کو بلند ظاہر کروں، یہ سب ”نمائش“ کے اندر داخل ہے اور یہ شرعاً ناجائز ہے۔ اور اسراف میں داخل ہے۔

فضول خرچی کی حد

یہی چادر جلت لباس اور کھانے میں بھی ہیں بلکہ ہر چیز میں ہیں ایک شخص اچھا اور قیمتی کپڑا اس لئے پہنتا ہے تاکہ مجھے آرام ملے اور تاکہ مجھے اچھے لگے، اور میرے گھر والوں کو اچھا لگے، اور میرے ملنے جلنے والے اس کو دیکھ کر خوش ہوں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس اس نیت سے پہنتا ہے، تاکہ مجھے دولت مند سمجھا جائے، مجھے بہت پیسے والا سمجھا جائے، اور میرا بڑا مقام سمجھا جائے تو یہ نمائش

ہے اور ممنوع ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسراف کے بارے ایک واضح حد فاصل سمجھ دی کہ اگر ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی خرچ کیا جا رہا ہے۔ یا آسائش کے حصول کے لئے یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آرائش کی خاطر کوئی خرچ کیا جا رہا ہے وہ اسراف میں داخل نہیں۔

یہ اسراف میں داخل نہیں۔

میں ایک مرتبہ کسی دوسرے شہر میں تھا۔ اور واپس کراچی آنا تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں نے ایک صاحب سے کہا کہ ایئر کنڈیشن کوچ میں میرا ٹکٹ بک کرادو اور میں نے ان کو پیسے دے دیے، ایک دوسرے صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فوراً کہا کہ صاحب! یہ تو آپ اسراف کر رہے ہیں اس لئے کہ ایئر کنڈیشن کوچ میں سفر کرنا تو اسراف میں داخل ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر اوپر کے درجے میں سفر کر لیا تو یہ اسراف میں داخل ہے خوب سمجھ لیجئے، اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد راحت حاصل کرنا ہے، مثلاً گرمی کا موسم ہے۔ گرمی برداشت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے پیسے دیے ہیں تو پھر اس درجے میں سفر کرنا کوئی گناہ اور اسراف نہیں ہے۔ لیکن اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب میں ایئر کنڈیشن کوچ میں سفر کروں گا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا دولت مند آدمی ہے تو پھر وہ اسراف اور ناجائز ہے۔ اور نمائش میں داخل ہے، یہی تفصیل کہہ رہے ہیں اور کھانے میں بھی ہے۔

ہر شخص کی کشادگی الگ الگ ہے

لہذا شوہر کو چاہئے کہ ان درجات کو مد نظر رکھتے ہوئے بیوی کے نفقہ اور لباس میں کشادگی کے ساتھ خرچ کرے۔ ہر آدمی کی کشادگی الگ الگ ہوتی ہے۔ میرے حضرت مولانا سید محمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیان فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ: بھائی! ایک آدمی ایسا ہے جس کا نہ کوئی آگاہ نہ پیچھا، یعنی نہ کوئی اس کا رشتہ دار ہے۔ نہ کوئی عزیز و اقارب ہے، اور نہ کوئی دوست ہے، اگر ایسا شخص اپنے گھر میں ایک بستر، ایک رکابی، ایک ڈونگا رکھ لے تو بس! اس کے لئے یہ برتن کافی ہیں اب اگر اور زیادہ برتن جمع کرے گا تو اس کا مقصد سوائے نمائش کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور اسراف ہوگا، لیکن ایک دوسرا آدمی جس کے مہمان آتے ہیں، جس کے تعلقات وسیع ہیں۔ جس کے عزیز و اقارب بہت زیادہ ہیں، اس کی ضرورت اور کشادگی کا معیار اور ہے اب اگر ایسے شخص کے گھر میں بعض اوقات برتنوں کے سوئیٹ بھی ہوں یا سو بستر بھی ہوں تب بھی ان میں سے ایک برتن اور ایک بستر بھی اسراف میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ سب اس کی ضرورت میں داخل ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ہر آدمی کا کشادگی کا معیار الگ ہوتا ہے۔

اس محل میں خدا کو تلاش کرنے والا احق ہے۔

بعض اوقات لوگ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بادشاہ تھے ان کا قصہ سن کر اس سے استدلال کرتے ہیں، جن کا قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے وقت ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ محل کی چھت پر گھوم رہا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پکڑ کر پوچھا کہ رات کے وقت یہاں محل کی چھت پر کیا کر رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ: اونٹ تلاش کرنے آیا ہوں، میرا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ارے بے وقوف، کم عقل، رات کے وقت محل کی چھت پر اونٹ تلاش کر رہا ہے۔ تجھے یہاں اونٹ کیسے ملے گا؟ اس آدمی نے حیرت سے پوچھا یہاں اونٹ نہیں مل سکتا؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ نہیں، تجھے یہاں محل کی چھت پر اونٹ کیسے ملے گا؟ اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل میں

اونٹ نہیں مل سکا اور اس محل میں اونٹ تلاش کرنے والا احمق ہے۔ تو یہ بھی سمجھ لو کہ تم یہاں رہتے ہوئے خدا کو تلاش کر رہے ہو، تمہیں خدا بھی نہیں مل سکا، اگر میں احمق ہوں تو مجھ سے زیادہ تم احمق ہو۔ بس! اس وقت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگی، اور اسی وقت سدی بادشاہت چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور روانہ ہوتے وقت سوچا کہ اب تو اللہ کی یاو میں زندگی بسر کرنی ہے۔ اس لئے صرف ایک ٹکیہ اور ایک پیالہ ساتھ لے لیا تاکہ کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے گی تو اس پیالے میں کھاپی لیس گئے۔ اور سونے کی ضرورت پیش آئے گی تو زمین پر ٹکیہ رکھ کر سو جائیں گے، جب کچھ آگے چلے تو دیکھا کہ ایک آدمی دریا کے کنارے بیٹھا ہے اور پیالہ بنا کر پانی پی رہا ہے آپ نے سوچا کہ یہ پیالہ میں نے اپنے ساتھ فضل لے لیا۔ یہ کام تو ہاتھوں کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے چنانچہ وہ پیالہ پھینک دیا اور آگے روانہ ہو گئے کچھ اور آگے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی سر کے نیچے لپٹا ہاتھ رکھ کر سو رہا ہے، پھر سوچا کہ یہ ٹکیہ بھی میں نے فضل لیا۔ ٹکیہ تو اللہ تعالیٰ نے خود دے رکھا ہے۔ اس سے کام چلائیں گے چنانچہ وہ ٹکیہ بھی پھینک دیا۔

غلبہ حال کی کیفیت قابل تقلید نہیں

اس قصہ کی وجہ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ پیالہ رکھنا بھی اسراف ہے۔ اور ٹکیہ رکھنا بھی اسراف ہے اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجہ بلند فرمائے، آمین۔ وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی نکھار کر چلے گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے حالات کو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر قیاس مت کرو، ایک تو اس وجہ سے کہ جو کیفیت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوئی، وہ غلبہ حال کی کیفیت تھی، وہ قابل تقلید کیفیت نہیں تھی۔ اور غلبہ حال کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت طبیعت پر کسی بات کا اتنا غلبہ ہو جاتا ہے کہ آدمی اس حالت میں معذور ہو جاتا ہے، معذور ہونے کی وجہ سے اس کے حالات دوسروں کے لئے قابل تقلید نہیں رہتے۔ اس لئے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ حالات ہمارے اور آپ کے لئے قابل تقلید نہیں۔ ورنہ دماغ میں یہ بات جم جائے گی کہ ٹکیہ بھی چھوڑو اور پیالہ

بھی چھوڑو اور گھر بار بھی چھوڑو بیوی بچے چھوڑو اس لئے کہ خدا اس کے بغیر نہیں ملے گا۔ حالانکہ دین کا یہ تقاضہ نہیں، بلکہ یہ غلبہ حل کی کیفیت ہے جو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ پر ظاہری ہوئی۔

آمدنی کے مطابق کشادگی ہونی چاہئے

دوسرے یہ کہ ہر آدمی کی ضرورت اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، لہذا کشادگی کا معیار بھی ہر انسان کا الگ ہے۔ اب جو شخص کم آمدنی والا ہے۔ اس کی کشادگی کا معیار اور ہے، اور جو متوسط آمدنی والا ہے۔ اس کا معیار اور ہے، اور جو زیادہ آمدنی والا ہے اس کی کشادگی کا معیار اور ہے اس لئے ہر شخص کی آمدنی کے معیار کے اعتبار سے کشادگی ہونی چاہئے، یہ نہ ہو کہ شوہر پیارے کی آمدنی تو کم ہے۔ اور ادھر بیوی صاحبہ سے دولت مند قسم کے اہل گرواں کے گھر میں جو چیزیں دیکھیں، ان کی نقل آمدنی کی فکر لگ گئی، اور شوہر سے اس کی فرمائش ہونے لگی۔ اس قسم کی فرمائشوں کا تو کوئی جواز نہیں۔ لیکن شوہر کو چاہئے کہ اپنی آمدنی کو مد نظر رکھتے ہوئے کشادگی سے کام لے۔ اور اپنی بیوی کے حق میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔

بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟

”عن معاویہ بن حیدرۃ رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ
ما حق زوجۃ احدثنا علیہ؟ قال: ان تطعمہا اذا طعمت وتکسوها
اذا کسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح، ولا تمہجر الا فی البیت“

(ابوداؤد، کتاب النکاح، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر ۲۱۳۲)

حضرت معاویہ بن حیدرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! ہم اہل گرواں کی بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھلو تو اس کو بھی کھلاؤ، اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اور کہ چہرے پر نہ مارو اور برا بھلا مت کہو ”تقبح“ کے معنی ہیں

کوٹنے دینا۔ برا بھلا کہنا۔ اور اس سے دل آزادی کی باتیں کرنا۔ اور اس کو مت چھوڑ مگر گھر ہی میں۔

اس کا بستر چھوڑ دو

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ اگر تم عورت کے اندر کوئی بے حیائی کی بات دیکھو تو پہلے اس کو سمجھاؤ، اگر سمجھانے سے باز نہ آئے تو اس کا بستر چھوڑ دو۔ اور الگ بستر پر سونا شروع کر دو، اس حدیث میں بستر چھوڑنے تفصیل یہ بیان فرمادی کہ بستر چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم گھر سے باہر چلے جاؤ۔ بلکہ گھر کے اندر ہی رہو۔ البتہ احتجاج کے طور پر تادیبی طور پر اور ایک نفسیاتی مد کے طور پر کمرہ بدل دو، یا بستر بدل دو اور اس سے علیحدگی اختیار کر لو۔

ایسی علیحدگی جائز نہیں

علماء نے اس حدیث کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ ایسے موقع پر اگرچہ بستر تو الگ کر دو، لیکن بالکل بات چیت ختم نہ کرو، اور ایسی علیحدگی نہ ہو کہ ایک دوسرے کو سلام بھی نہ کیا جائے۔ اور سلام کا جواب بھی نہ دیا جائے اور کوئی ضروری بات کرنی ہو تو اس کا جواب بھی نہ دیا جائے۔ اس طرح کی علیحدگی جائز نہیں ہے۔

چار ماہ سے زیادہ سفر میں بیوی کی اجازت

اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مرد کے لئے چار مہینہ سے زیادہ گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت اور اس کی خوش دلی کے بغیر جائز نہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام قلم رو میں یہ حکم جاری فرمادیا کہ جو مجاہدین گھر سے باہر رہتے ہیں، وہ چار ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ رہیں، اور اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو چار چار ماہ سے کم کا سفر درپیش ہو تو اس کے لئے بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں، لیکن اگر چار ماہ سے زیادہ کا سفر درپیش ہو تو اس کے لئے بیوی سے اجازت لینی ضروری ہے۔ چاہے وہ سفر کتنا ہی بدست کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ اگر حج کا

سفر ہو تو اس میں بھی اگر وہ چار ماہ کے اندر واپس آ سکتا ہے، تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں۔ اگر نقلی طور پر وہاں زیادہ قیام کا ارادہ ہے تو پھر اجازت لینی ضروری ہے، یہی حکم بلینج، دعوت اور جماد کے سفر کا ہے۔ لہذا جب ان مہلک سفروں میں بیوی کی اجازت ضروری ہے تو پھر جو لوگ ملازمت کے لئے پیسہ کمانے کے لئے بے سفر کرتے ہیں ان میں تو بطریق اولی بیوی کی اجازت ضروری ہے، اگر بیوی کی اجازت کے بغیر جائیں گے تو یہ بیوی کی حق تلفی ہوگی اور شرعاً ناجائز ہو گا اور گناہ ہو گا۔

بہتر لوگ کون ہیں؟

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً وخیارکم خیارکم لاهلہ۔

(ترمذی، کتاب الرضلع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر ۱۱۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام مومنوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے۔ جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے اچھا ہو۔ جو شخص جتنا زیادہ خوش اخلاق ہوگا، وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہوگا۔ اس لئے کامل ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق کا معاملہ کرے، اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے ہوں۔

آج کے دور میں ”خوش اخلاقی“

آج کل ہر چیز کے معنی بدل گئے ہر چیز کا مفہوم الٹ گیا۔ ہمارے حضرت مولانا قادی محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: پہلے زمانے کے مقابلے میں اب اس دور میں ہر چیز انہی جو معنی، یہاں تک پہلے چراغ تھے اندھیرا ہوتا تھا، اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے، پھر فرماتے کہ آج کل ہر چیز کی قدریں بدل گئیں ہر چیز کا مفہوم الٹ گیا۔ حتیٰ کہ اخلاق کا مفہوم بھی بدل گیا آج صرف چند ظاہری حرکات کا نام اخلاق ہے

مثلاً مسکرا کر مل لئے، اور ملاقات کے وقت رسمی الفاظ زبان سے ادا کر دیئے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ ”آپ سے مل کی بڑی خوشی ہوئی“ یا ”آپ سے مل کر بڑا اچھا معلوم ہوا“ وغیرہ۔ اب زبان سے تو یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں، لیکن دل کے اندر عدالت اور حسد کی آگ سگ رہی ہے، دل کے اندر نفرت کر دینس لے رہی ہے بس آج اسی کا نام خوش اخلاقی ہے۔ اور آج باقاعدہ یہ ایک فن بن گیا ہے کہ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے تاکہ دوسرے لوگ ہلے گر ویدہ ہو جائیں اور باقاعدہ اس پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ دوسرے کو گر ویدہ بنانے کے لئے اور دوسرے کو متاثر کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں؟ لہذا سدا زور اس پر صرف ہو رہا ہے کہ دوسرا گر ویدہ ہو جائے دوسرا ہم سے متاثر ہو جائے اور ہم کو اچھا سمجھنے لگے۔ آج اسی کا نام ”اخلاق“ رکھا جاتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے: اس کا اس اخلاق سے کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ یہ اخلاق نہیں، بلکہ ریاکاری اور دکھاوا ہے اور یہ نمائش ہے اور یہ دوسرے لوگوں کو اپنا گر ویدہ بنانے اور اپنے گرد اکٹھا کرنے کا بہانہ ہے۔ یہ حب جلا ہے، یہ حب شرت ہے، جو بذات خود بیکاری اور بد اخلاقی ہیں، حسن اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

”حسن اخلاق“ دل کی کیفیت کا نام ہے

حقیقت میں اخلاق دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کا مظاہرہ اعضا اور جوارح سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دل میں ساری مخلوق خدا کی خیر خواہی ہو۔ اور ان سے محبت ہو خواہ وہ دشمن اور کافر ہی کیوں نہ ہو، اور یہ سوچ کر یہ میرے مالک کی مخلوق ہے لہذا مجھے اس سے محبت رکھنی چاہئے، اس کے ساتھ مجھے اچھا سلوک کرنا چاہئے، اولاد دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس جذبے کے ماتحت اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے اب اس جذبہ کے بعد چہرے پر جو مسکراہٹ اور تبسم آتا ہے وہ بناوٹی نہیں ہوتا اور وہ دوسروں کو اپنا گر ویدہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی دلی خواہش اور دلی جذبے کا ایک لازمی اور منطقی شائبہ ہوتا ہے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

اور ان اخلاق کو حاصل کرنے کے لئے محض کتاب پڑھ لینا کافی نہیں ہے، نہ محض وعظ سن لینا کافی ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی مربی اور کس متسلح کی صحبت میں رہنے کی ضرورت ہوتی ہے تصوف اور پیری مریدی کا جو سلسلہ بزرگوں سے چلا آ رہا ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں اور برے اخلاق دور ہوں۔ ہر حال ایمان میں کامل ترین افراد وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں، جن کے دل میں صحیح دلسے پیدا ہوتے ہوں اور ان صحیح داعیوں کا اظہار ان کے اعمل و افعال سے ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان کالپن میں داخل فرمادیں۔ آمین۔

”وعن إياس بن عبد الله بن أبي ذباب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تضربوا إماء الله فنجاء عمر إلى...“
 رضي الله عنه عليه وسلم فقال: ذمّن النساء على
 اخرجهن الخ:

(ابو داؤد، کتاب النکاح باب فی ضرب النساء، حدیث نمبر ۲۱۳۶)

حضرت ایاہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: اللہ کی بندویں کو ملو نہیں، یعنی ہاتھوں کو ملنا ناچھی بات نہیں ہے، مت ملنا کرو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا کہ یہ کام مت کرو تو جس شخص نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن لیا اس کے لئے وہ کام حرام قطعی ہو گیا، اب اس کے لئے کسی بھی حالت میں ملنا جائز نہیں۔

حدیث ظنی یا قطعی

یہ بات سمجھ لیجئے کہ ایک تو وہ حدیث ہے، جو ہم اور آپ کتب میں پڑھتے ہیں۔ یا سنتے ہیں اور جو لمبی سند کے ساتھ ہم تک پہنچتی ہے حدیثا فلان قال حدیثا فلان قال حدیثا فلان۔ ایسی حدیث ظنی کہلاتی ہے، اس لئے کی ظنی طریقوں سے ہم تک پہنچتی ہے، لہذا اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اگر عمل نہیں کرے گا تو گناہ مگر ہو گا لیکن صحابہ کرام نے جو بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن لی، وہ حدیث ظنی نہیں ہے، بلکہ قطعی ہے، لہذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا تو صرف گناہ مگر نہیں ہو گا۔ بلکہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا انکار کر دیا، لہذا فوراً کافر ہو گیا۔

صحابہ کرام ہی اس لائق تھے

کبھی کبھی ہمارے دلوں میں یہ احتمالہ خیال آتا ہے کہ کاش! ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے، اور اس زمانے کی برکات حاصل کرتے۔ ارے یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور وہی اپنی حکمت سے فیصلہ فرماتے ہیں اور اپنی حکمت سے ہمیں اس دور میں پیدا فرمایا، اگر ہم اس دور میں پیدا ہو جاتے تو خدا جانے کس اسفل السفلین میں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ بچائے آمین۔ اس لئے کہ وہاں ایمان کا معاملہ اتنا نازک تھا کہ ذرا سی دیر میں انسان ادھر سے ادھر ہو جاتا تھا۔

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس جانبداری کا معاملہ فرمایا، وہ انہیں کا عرف تھا۔ اور اسی کے نتیجے میں وہ اس درجے تک وہ پہنچے، اگر ہم جیسا آرام پسند اور علویت پسند آدمی اس دور میں ہوتا تو خدا جانے کیا حشر بنتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس انجام سے بچایا۔ اور ایسے دور میں پیدا فرمایا جس میں ہمارے لئے بہت سی آسائیاں ہیں۔ آج ایک حدیث کے بارے میں ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ظنی ہے۔ اور ظنی ہونے کی وجہ سے اگر کوئی انکار کر دے گا تو کافر نہ ہو گا۔ صرف گناہ مگر ہی ہو گا۔ لیکن صحابہ کرام کا معاملہ تو یہ تھا کہ اگر کوئی

فخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی حکم سننے کے بعد انتظار کر دے نہ میں نہیں کرتا فوراً کافر ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔

یہ عورتیں شیر ہو گئیں ہیں

لہذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ عورتوں کو نہ مارو تو اب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا۔ اس لئے کہ صحابہ کرام تو ایسے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں ممانعت سنیں، اور پھر بھی وہ کام جاری رکھیں۔ جب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

ذئبت النساء علی ائمتنا واجھن

یا رسول اللہ! یہ عورتیں تو اب اپنے شوہروں پر شیر ہو گئیں، اس لئے کہ آپ نے مارنے کی ممانعت کر دی۔ جس کے بعد اب کوئی فخص اپنی بیوی کو نہیں مارتا۔ بلکہ مار کے قریب جانے سے بھی ڈرتا ہے۔ اور اس نہ مارنے کے نتیجے میں عورتیں شیر ہو گئی ہیں۔ اور شوہروں کی حتی تفیاض کرنے لگی ہیں۔ اور ان کے ساتھ بد سلوکی کرنے لگی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ ان حالات میں ہم کیا کریں؟

فخص فضر بہن

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ اگر عورتیں شوہروں کی حق تلفی کریں۔ اور مارنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو تمہیں مارنے کی بھی اجازت ہے۔ اب اس اجازت دینے کے نتیجے میں یہ ہوا کہ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سی خواتین آتی شروع ہو گئیں۔ اور آکر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ! آپ نے شوہروں کو مارنے کی اجازت دے دی۔ جس سے لوگوں نے غلط فائدہ اٹھایا۔ اور ہمیں اس طرح مارا۔

یہ اچھے لوگ نہیں ہیں

”فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَقَدْ اطَاعَ بَالٌ مَحْتَدٌ

نِسَاءً كَثِيرًا يَشْكُونَ انِّهِنَّ وَاجِهْنَ لَيْسَ اَوْلَئِكَ بِخِيَارِكُمْ۔“

آپ نے اپنا نام لے کر فرمایا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں بہت سی خواتین چکر لگاتی ہیں۔ اور وہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی ہیں کہ وہ شوہران کے ساتھ بد سلوکی کرتے ہیں۔ ان کو بری طرح مارتے ہیں۔ لہذا خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہ ملامت کر رہے ہیں وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔ اور اچھے مومن اور مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ ملامت کرے، اس سلسلے سے مجموعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگرچہ ناگزیر حالت میں جب کوئی اور چلہ نہ رہے اس وقت شریعت کی طرف سے ایسی ملامت کی اجازت ہے جس سے نشان نہ پڑے، اور بہت زیادہ تکلیف نہ ہو لیکن اس کے باوجود محمد رسول اللہ کی سنت اور آپ کی اصل خواہش یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت پر کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ چنانچہ حضرات لہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا، لہذا سنت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

دنیا کی بہترین چیز ”نیک عورت“

”وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ

رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا

الْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ؛“

(صحیح مسلم کتب الرضلع باب فیہ من الدنیا المرأة الصالحة حدیث نمبر ۱۳۶۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ دنیا ساری کی ساری لطف اندوزی کی چیز ہے۔ یعنی ایسی چیز ہے جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ نفع اٹھاتا ہے۔ اور لطف اٹھاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

(سورة البقرہ: ۲۹)

کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے۔ اور تمہارے نفع کے لئے، اور تمہارے لطف اٹھانے کے لئے اور تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کیا۔ اور دنیا کی بہترین مثل جس سے انسان نفع اٹھائے۔ وہ نیک اور صالح عورت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”حب الخ من دیکھ النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلوة“

(کنز العمال، حدیث نمبر ۱۸۹۱۳)

مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیز بہت زیادہ محبوب ہیں۔ کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ ”تمہاری دنیا“ میں ہے، یہ اس لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری جگہ پر یہ ارشاد فرما چکے تھے کہ:

”مالی ولادنیما ما انا والدنیما الا کواکب، اتمل تحت شجرة،

شعر ابرار و ترکھا“

(ترمذی۔ کتاب النہد، حدیث نمبر ۲۳۷۸)

میرا دنیا سے کیا تعلق! میں تو ایک ایسے سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں ذرا سی دیر کے لئے ٹھہرتا ہے۔ اور پھر چلا جاتا ہے۔ اور اس درخت کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے بہت زیادہ محبوب اور پسند ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ ایک عورت دوسری خوشیوں اور تیسری ٹھنڈا پانی، اس لئے دنیا کی ساری نعمتوں میں سے یہ تین چیزیں اول درجے کی نعمتیں ہیں۔

ٹھنڈا پانی عظیم نعمت ہے

چنانچہ احادیث میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں کبھی کسی خاص کھانے کا اہتمام فرمایا ہو نہ کبھی یہ ثابت ہے کہ آپ نے کسی کھانے کی فرمائش کی ہو کہ فلاں کھانا پکالو۔ بلکہ جو کچھ آپ کے سامنے آیا، آپ نے

تناول فرمایا۔ لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ پینے کے لئے ٹھنڈا پانی آپ کے لئے بٹر غرس سے لایا جاتا تھا۔ جو مسجد نبوی سے تقریباً دو یاڑھائی میل دور تھا۔ اس لئے کہ اس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا تھا۔ اور اسی لئے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ انتقال کے بعد مجھے اسی کنوے کے پانی سے غسل دیا جائے۔

ٹھنڈا پانی پیا کرو

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک حکایت بیان فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ: ”میں اشرف علی! جب کبھی پانی پیتا تو خوب ٹھنڈا پیا تاکہ رگ رگ سے شکر نکلے، اس لئے کہ جب ٹھنڈا پانی پئے گا تو رگ رگ سیراب ہوگی، تو پھر رگ رگ سے ”الحمد للہ“ نکلے گا اور بیساختہ رگ رگ سے شکر ادا ہوگا۔“

بری عورت سے پناہ مانگو

بہر حال تین پسندیدہ چیزوں میں سے ایک نیک عورت ہے، اس لئے کہ اگر عورت نیک نہ ہو تو اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی:

”اللھم انی اعوذ بک عن امراة تشییئ قبل المشیب واعوذ بک

من ولید یكون علی وبالاً“

اے اللہ! میں اس عورت سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دے، اور اس اولاد سے پناہ مانگتا ہوں جو میرے لئے وبال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔ اس لئے جب اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے تلاش کرو تو ایسی عورت تلاش کرو جس میں دین ہو۔ صلاح ہو۔ نیکی ہو۔ اگر خدا نہ کرے۔ نیکی نہیں ہے تو وہ بھر عذاب بنے

کا اندیشہ ہے۔ لہذا اگر کسی شخص کو صالح بیوی کی نعمت میسر آئی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی قدر کرے۔ اس کی بخودری نہ کرے۔ اور اس کی قدر یہی ہے کہ اس کے حقوق

ادا کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان لرشادات پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

شوہر کے حقوق اور اس کی حیثیت

جس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



نہضت و ترقیت
محمد عبدالرشید

میعین اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، لاہور

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو ”قوام“ بنایا ہے۔ اس لئے فیصلہ اسی کا ماننا ہو گا۔ البتہ تم اپنی رائے اور مشورہ دے سکتی ہو۔ اور دوسری طرف ہم نے مرد کو یہ ہدایت دی ہے کہ حتی الامکان تہمدی دلداری کا خیال کرے۔ لیکن فیصلہ اسی کا ہو گا۔ لہذا اگر بیگم صاحبہ یہ چاہیں کہ ہر معاملے میں میرا فیصلہ چلے، مرد ”قوام“ نہ بنے۔ بلکہ میں ”قوام“ بن جاؤں۔ تو یہ صورت فطرت کے خلاف ہے۔ شریعت کے خلاف ہے، عقل کے خلاف ہے، انصاف کے خلاف ہے، اور اس کا نتیجہ گھر کی بربادی ہے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔

شوہر کے حقوق اور اس کی حیثیت

الحمد لله غمدہ ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله
من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدا
عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا
اما بعد ! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

”الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على
بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حافظات لغيب
بما حفظ الله“ (سورة النار: ۳۳)
آمنت بالله صدق الله مولانا، اعظيم وصدق رسوله صلى الله عليه وسلم
ونحن على ذلك من الشاهدين۔

پچھلا باب ان حقوق کے بیان میں تھا جو ایک بیوی کے اس کے شوہر کے ذمے عائد ہوتے ہیں۔ اس میں یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ ایک شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ کس قسم کا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن شریعت، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے، وہ صرف ایک پہلو کو مد نظر رکھنے والا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دونوں جاتیوں کی برابر رعایت ہوتی ہے، اور دونوں کے لئے دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کی ضمانت ہوتی ہے، چنانچہ جس طرح شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق عائد کئے گئے۔ اسی طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ذمے شوہر کے حقوق بھی بیان فرمائے۔ اور قرآن وحدیث میں ان دونوں قسموں کے حقوق کی ادائیگی پر بڑا زور اور بڑی تاکید کی گئی ہے۔

آج ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے

شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، حقوق کے مطالبے پر زور نہیں دیا گیا ہے۔ آج کی دنیا، حقوق کے مطالبے کی دنیا ہے۔ ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے۔ اور اس کے لئے مطالبہ کر رہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کر رہا ہے، ہڑتال کر رہا ہے، گویا کہ اپنا حق مانگنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لئے دنیا بھر کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ اور اس کے لئے باقاعدہ انجمنیں قدام کی جارہی ہیں۔ جن کا نام ”انجمن تحفظ حقوق فلاں“ رکھا جاتا ہے، لیکن آج ”ادائیگی فرائض“ کے لئے کوئی انجمن موجود نہیں، کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمے عائد ہیں۔ وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ مزدور کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے۔ سرمایہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے۔ لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں ہے کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں؟ مرد کہتا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئے۔ اور عورت کہتی ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں۔ اور اس کے لئے کوشش اور جدوجہد جلدی ہے۔ لڑائی ٹھنی ہوئی ہے۔ جنگ جلدی ہے۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمے عائد ہو رہے ہیں، وہ میں ادا کر رہا ہوں، یا نہیں؟۔

ہر شخص اپنے فرائض ادا کرے

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے۔ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں۔ اگر مزدور اپنے فرائض ادا کر دے تو سرمایہ دار اور مالک کے حقوق ادا ہو گئے، اگر سرمایہ دار اور آجر اپنے فرائض ادا کر دے تو مزدور کے حقوق ادا ہو گئے۔ شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کا حق ادا ہو گیا۔ اور اگر بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ شریعت کا اصل مطلبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

پہلے اپنی فکر کرو

آج ہمارے زمانے میں عجیب الٹی گنگا بہنی شروع ہو گئی ہے۔ کہ جب کوئی شخص اصلاح کا جھنڈا اٹھاتا ہے، تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر بھی کچھ کوتاہی ہے۔ میں بھی غلطی کا شکار ہوں۔ میں اس کی فکر کروں۔ حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَقِضُوا فَمَنْ صَلَّ إِذَا أَفْتَدَيْتُمْ.

(سورۃ المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنے آپ کی فکر کرو کہ تمہارے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اللہ اور اللہ کے رسول کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ شریعت دینتہ امانت اور اخلاق کے تم سے کیا مطالبات ہیں، ان مطالبات کو بجالاؤ، دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے، اور اپنے فرائض انجام نہیں دے رہا ہے تو اس کا نقصان تمہارے اوپر نہیں ہو گا بشرطیکہ تم اپنے فرائض صحیح طریقے سے انجام دے رہے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بات دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل جایا کرتے تھے، جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور اس زمانے میں زیادہ تر مال مویشیوں یعنی اونٹ،

بکریاں، گائے وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عاملوں کو بھیجتے تو ان کو ایک ہدایت نامہ عطا فرماتے، کہ تمہیں وہاں جا کر کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟ اس ہدایت نامے میں یہ بھی تحریر فرماتے کہ:

”لاجلب ولاجنب في زكاة، ولا تؤخذ زكاتهم الا في دورهم“

(ابو داؤد، کتاب الزکاة، باب این تصدق لا تؤخذ منہ نمبر ۱۵۹۱)

یعنی تم خود لوگوں کے گھروں پر جا کر زکوٰۃ وصول کرنا۔ ایسا مت کرنا کہ تم ایک جگہ پر بیٹھ جاؤ، اور لوگوں کو اس بات کی تکلیف دو کہ وہ زکوٰۃ کامل تمہارے پاس لا کر دیں، اور یہ بھی ہدایت فرماتے کہ:

”المعتدی فی الصدقة کمانعھا“

(ابو داؤد، کتاب الزکاة، باب زکاة المسلمین ص ۱۵۸۵)

یعنی جو شخص زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کر رہا ہے، مثلاً جتنی زکوٰۃ واجب تھی، مقدار میں اس سے زیادہ وصول کر رہا ہے، یا کیفیت میں زیادہ وصول کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ ایسا شخص بھی اتنا ہی گناہ گار ہے۔ جتنا زکوٰۃ نہ دینے والا گناہ گار ہے۔ لہذا ایک طرف مالوں کو تو یہ تاکید کی جارہی ہے کہ تم لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ وصول نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو قیامت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔ دوسری طرف جن لوگوں کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ان عاملوں کو بھیجا جا رہا تھا۔ ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ:

”حاذرکم المصدق فلا یفارقنکم الا عن رضی“

(ترمذی، کتاب الزکاة، باب ما جاء فی رضی الصدق، حدیث نمبر ۶۳)

یعنی تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناراض ہو کر جائیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کو راضی کرو، اور کوئی ایسی غلطی نہ کرو جس سے وہ ناراض ہو جائیں۔ کیونکہ درحقیقت وہ میرے فرستادہ اور میرے نمائندے ہیں، اور ان کو ناراض کرنا گویا مجھے ناراض کرنا ہے۔ لہذا عاملین کو یہ تاکید فرمائی کہ تم کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ اور زکوٰۃ دینے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ جب عاملین تمہارے پاس آئیں تو وہ تم سے راضی ہو کر جائیں۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ آپ نے زکوٰۃ دینے والوں کو یہ نہیں فرمایا کہ تم سب مل کر ایک تحریک چلاؤ

کہ یہ جو عاقلین زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ وہ ہمارے حقوق پامال نہ کریں۔ اس کے لئے انھیں قائم کرو۔ اس لئے کہ یہ ایک لڑائی کا ذریعہ بن جاتا۔ شریعت میں سدا زور اس بات پر ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگہداشت کرے، فرائض کو بجالانے کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ اس کی فکر کرے کہ میں اللہ کے سامنے ٹھیک ٹھیک جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ دین کا سدا فلسفہ یہ ہے، یہ نہیں ہے کہ ہر شخص دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا رہے۔ اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل رہے۔

زندگی استوار کرنے کا طریقہ

میں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ دونوں کو ان کے فرائض بتا دیئے۔ شوہر کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض یہ ہیں، اور بیوی کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض یہ ہیں۔ ہر ایک اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرے۔ اور درحقیقت زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے کہ دونوں اپنے فرائض کا احساس کریں، اور دوسرے کے حقوق کا پاس کریں۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کی اتنی فکر نہ ہو۔ جتنی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہو۔ اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر یہ زندگی استوار ہو جاتی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کو ہماری زندگی کے استوار کرنے کی اتنی زیادہ فکر ہے کہ قرآن و حدیث ان ہدایات سے بھرے ہوئے ہیں کہ تمہارے فرائض یہ ہیں، اور تمہارے فرائض یہ ہیں۔ اور اگر ان فرائض اور تعلقات میں رخنہ پڑ جائے تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں کوئی بات اتنی ناپسند نہیں جتنے میں بیوی کے باہمی جھگڑے ناپسند ہیں۔

ابلیس کا رباہ

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ابلیس اور شیطان کبھی کبھی سمندر میں پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے، اور اپنا دربار منعقد کرتا ہے، اس وقت دنیا میں اسکے جتنے پیلے ہیں۔ جو اس کی اسکیموں پر اور اس کی ہدایات پر

عمل کر رہے ہیں۔ وہ سب اس دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور ان تمام چیلوں سے ان کی کلر کردگی کی رپورٹیں طلب کی جاتی ہیں کہ تم نے کیا فرائض انجام دیئے؟ اس وقت ہر ایک چیل اپنی کلر گزاری بیان کرتا ہے، اور یہ ایلیس تخت پر بیٹھ کر ان کی کلر گزاری سنتا ہے۔ ایک چیل آکر اپنی یہ کلر گزاری سناتا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے درمیان میں اس کو ایک ایسے کام میں پھنسا دیا جس سے اس کی نماز چھوٹ گئی ایلیس سن کر خوش ہوتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ لیکن بہت زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ دوسرا چیل آکر بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص فلاں عبادت کی نیت سے جا رہا تھا، میں نے اس کو عبادت سے روک دیا۔ ایلیس سن کر خوش ہوتا ہے کہ تم نے اچھا کیا۔ اسی طرح ہر چیل اپنی کلر گزاری سناتا ہے۔ اور ایلیس سن کر خوش ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک چیل آکر یہ بیان کرتا ہے کہ دو میں بیوی باہمی اتفاق اور محبت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، بڑی اچھی زندگی گزار رہی تھی، میں نے جا کر ایک ایسا کام کیا جس کے نتیجے میں دونوں میں لڑائی ہو گئی، اور لڑائی کے نتیجے میں دونوں میں جدائی واقع ہو گئی۔ جب ایلیس یہ سنتا ہے کہ اس چیل نے دونوں میں بیوی کو آپس میں لڑا دیا جو اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ خوش ہو کر اپنے تخت سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس چیل سے معاملہ کرتا ہے۔ اور اس کو گلے لگاتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے کہ صحیح معنی میں میرا نمائندہ تو ہے۔ اور تو نے جو کلر نامہ انجام دیا وہ اور کسی نے انجام نہیں دیا۔

(صحیح مسلم کتب سنن، باب تحریش الشیطان، حدیث نمبر ۳۸۱۳)

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میں بیوی کے باہمی جھگڑے اور ایک دوسرے سے نفرت اور قطع تعلق کتنے ناپسندیدہ ہیں۔ اور شیطان کو یہ اعمال کتنے محبوب ہیں۔ اس لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و حدیث میں دونوں پر ایک دوسرے کے فرائض اور حقوق بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اگر انسان ان پر عمل کر لے تو دنیا بھی درست ہو جائے، اور آخرت بھی درست ہو جائے۔

مرد عورت پر حاکم ہے

اس لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دو سراباب قائم فرمایا ہے جس کا عنوان ہے: باب حق الزوج علی المرأة یعنی شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں۔ اور اس کے تحت قرآنی آیات اور احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت آئے ہیں۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ -

(سورۃ النساء: ۳۴)

یعنی مرد عورتوں پر نگہبان اور ان کے منتظم ہیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ ترجمہ بھی کیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ ”قوام“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام کے کرنے یا اس کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہو گیا کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ ان کے کاموں کے منتظم ہیں۔ اور ان کے حاکم ہیں۔ یہ ایک اصول بیان فرما دیا۔ اس لئے کہ اصولی باتیں ذہن میں نہ ہونے کی صورت میں جتنے کام انسان کرے گا وہ غلط تصورات کے ماتحت کرے گا، لہذا مرد کے حقوق بیان کرتے ہوئے عورت کو پہلے اصولی بات سمجھا دی کہ وہ مرد تہمدی زندگی کے امور کا نگہبان اور منتظم ہے۔

آج کی دنیا کا پروپیگنڈہ

آج کی دنیا میں جہل مرد و عورت کی مساوات، ان کی برابری اور آزادی نسواں کا بڑا زور و شور ہے۔ ایسی دنیا میں لوگ یہ بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں کہ شریعت نے مرد کو حاکم بنایا ہے۔ اور عورت کو محکوم بنایا ہے۔ اس لئے کہ آج کی دنیا میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مرد کی عورت پر بلا دستی قائم کر دی گئی ہے۔ اور عورت کو محکوم بنا کر اس کے ہاتھ میں قید کر دیا گیا ہے۔ اور اس کو چھوٹا قرار دے دیا گیا ہے۔

سفر کے دوران ایک کو امیر بنالو

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ زندگی کا سفر دونوں کو ایک ساتھ طے کرنا ہے۔ اب زندگی کے سفر کے طے کرنے میں

انتظام کے خاطر یہ لازمی بات ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک شخص سفر کا ذمہ دار ہو۔
 حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جب بھی دو آدمی
 کوئی سفر کر رہے ہوں، چاہے وہ سفر چھوٹا سا کیوں نہ ہو اس سفر میں اپنے میں سے ایک کو
 امیر بنائیں۔ میرے بغیر سفر نہیں کرنا چاہئے۔ تاکہ سفر کے جملہ انتظامات اور پالیسی اس امیر
 کے فیصلے کے تابع ہو۔ اگر امیر نہیں بنائیں گے تو ایک بد نظمی ہو جائے گی۔

(ابو داؤد، کتب الجہاد، باب فی القوم یا فردن یومرون احدہم، حدیث نمبر ۲۶۰۸)
 نذا جب ایک چھوٹے سے سفر میں امیر بنانے کی تاکید کی گئی ہے تو زندگی کا یہ
 طویل سفر جو ایک ساتھ گزارنا ہے۔ اس میں یہ تاکید کیوں نہیں ہوگی اپنے میں سے ایک کو
 امیر بنالو۔ تاکہ بد نظمی پیدا نہ ہو۔ بلکہ انتظام قائم رہے۔ اس انتظام کو قائم کرنے کے
 لئے کسی ایک کو امیر بنانا ضروری ہے۔

زندگی کے سفر کا امیر کون ہو؟

اب دو راستے ہیں۔ یا تو مرد کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنا دیا جائے، یا عورت کو
 امیر بنا دیا جائے، اور مرد کو اس کا محکوم بنا دیا جائے۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اب
 انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی اور عقل کے ذریعہ انسان غور
 کرے تو یہی نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوت مرد کو عطا کی ہے۔ بڑے بڑے کام
 کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے۔ وہ عورت کو عطا نہیں کی۔ لہذا اس اہمیت اور
 اس سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے۔ اور اس کے لئے اپنی عقل سے
 فیصلہ کرنے کے بجائے اس ذات سے پوچھا جائے جس نے ان دونوں کو بنایا اور پیدا کیا کہ
 آپ نے دونوں کو سفر پر روانہ کیا۔ اب آپ ہی بتائیں کس کو امیر بنائیں، اور کس کو مامور
 بنائیں؟ اور سوائے اس کے فیصلے کے کسی اور کا فیصلہ عقل قبول نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ
 فیصلہ عقلی دلائل سے آراستہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ اس زندگی کے سفر کو
 طے کرنے کے لئے مرد ”قوام، حاکم اور منتظم“ ہیں، اگر تم اس فیصلے کو صحیح جانتے ہو اور
 مانتے ہو تو اسی میں تمہاری سعادوت اور کامیابی ہے۔ اور اگر نہیں مانتے، بلکہ اس فیصلے کی
 خلاف ورزی کرتے ہو۔ اور اس کے ساتھ بغاوت کرتے ہو تو پھر تم جاؤ۔ اور تمہاری

زندگی جانے، اب تمہاری زندگی خراب ہوگی۔ اور ہو رہی ہے، جن لوگوں نے اس فیصلے کے خلاف بغاوت کی ان کا انجام دیکھ لیجئے کہ کیا ہوا؟

اسلام میں امیر کا تصور

البتہ اللہ تعالیٰ نے جو لفظ یہاں استعمال فرمایا، اس کو سمجھ لیجئے، اللہ تعالیٰ نے یہاں ”امیر“ ”حاکم“ اور ”بادشاہ“ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ”قوام“ کا لفظ استعمال کیا۔ اور ”قوام“ کے معنی وہ شخص جو کسی کام کا ذمہ دار ہو۔ اور ذمہ دار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بحیثیت مجموعی زندگی گزارنے کی پالیسی وہ طے کرے گا، اور پھر اس پالیسی کے مطابق زندگی گزاری جائے گی۔ لیکن ”قوام“ ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ آقا ہے۔ اور بیوی اس کی کنیز ہے۔ یا بیوی اس کی نوکر ہے۔ بلکہ دونوں کے درمیان امیر اور مامور، حاکم اور محکوم کا رشتہ ہے۔ اور اسلام میں ”امیر“ کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ تخت پر بیٹھ کر حکم چلائے۔ بلکہ اسلام میں امیر کا تصور وہ ہے جو حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سید القوم خادمہ

(کنز العمال، حدیث نمبر ۱۷۵۱)

قوم کا سردار بن کا خدام ہوتا ہے۔

امیر ہو تو ایسا

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دیوبند سے کسی دوسری جگہ سفر پر جانے لگے تو ہمہ راے استاد حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند میں ”شیخ الادب“ کے نام سے مشہور تھے، وہ بھی ہمارے ساتھ سفر میں تھے، جب ہم اشیشن پر پہنچے تو گاڑی کے آنے میں دیر تھی، مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کہیں سفر پر جاؤ تو کسی کو اپنا امیر بناؤ، لہذا ہمیں بھی اپنا امیر بنالینا چاہئے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم شاعر تھے وہ استاد تھے۔ اس

لئے ہم نے کہا کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ امیر تو بنے بنائے موجود ہیں۔ حضرت مولانا نے پوچھا کہ کون؟ ہم نے کہا کہ امیر آپ ہیں، اس لئے کہ آپ استاد ہیں۔ ہم شاکر و ہیں، حضرت مولانا نے کہا: اچھا آپ لوگ مجھے امیر بنانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں: آپ کے سوا اور کون امیر بن سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ: اچھا ٹھیک ہے، لیکن امیر کا ہر حکم ماننا ہو گا۔ اس لئے کہ امیر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے، ہم نے کہا: جب امیر بنایا ہے تو انشاء اللہ ہر حکم کی اطاعت بھی کریں گے، مولانا نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے، میں امیر ہوں۔ اور میرا حکم ماننا۔ جب گاڑی آئی تو حضرت مولانا نے تمام ساتھیوں کا کچھ سالن سر پر اور کچھ ہاتھ میں اٹھایا، اور چلنا شروع کر دیا۔ ہم نے کہا کہ: حضرت! یہ کیا آپ غضب کر رہے ہیں؟ ہمیں اٹھانے دیجئے۔ مولانا نے فرمایا کہ: نہیں۔ جب امیر بنایا ہے تو اب حکم ماننا ہو گا، اور یہ سالن مجھے اٹھانے دیں، چنانچہ وہ سارا سالن اٹھا کر گاڑی میں رکھا۔ اور پھر پورے سفر میں جہاں کہیں مشقت کا کام آتا تو وہ کام خود کرتے، اور جب ہم کچھ کہتے تو فوراً مولانا فرماتے کہ دیکھو: تم نے مجھے امیر بنایا ہے، اور امیر کا حکم ماننا ہو گا۔ لہذا میرا حکم مانو۔ ان کو امیر بنانا ہمارے لئے قیامت ہو گیا۔ حقیقت میں امیر کا تصور یہ ہے۔

امیر وہ جو خدمت کرے

آج ذہن میں جب امیر کا تصور آتا ہے تو وہ بادشاہوں اور بڑے سربراہوں کی صورت میں آتا ہے۔ جو اپنے رعایا کے ساتھ بات کرتا بھی گوارا نہیں کرتے، لیکن قرآن و حدیث کا تصور یہ ہے کہ امیر وہ شخص ہے جو خدمت کرے، جو خادم ہو۔ امیر کے یہ معنی نہیں ہے کہ اس کو بادشاہ بنا دیا گیا ہے۔ اب وہ حکم چلایا کریگا۔ اور دوسرے اس کے ماتحت نوکر اور غلام بن کر رہیں گے، بلکہ امیر کے معنی یہ ہیں کہ بیشک فیصلہ اس کا معتبر ہو گا، ساتھ ہی وہ فیصلہ ان کی خدمت کے لئے ہو گا، ان کی راحت اور خیر خواہی کے لئے ہو گا۔

میاں بیوی میں دوستی کا تعلق ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات

بلند فرمائے۔ آمین۔ کہ مردوں کو یہ آیت تو یاد رہتی ہے کہ ”الْبَشَرُ قَوَامُونَ عَلَى الْبَشَاءِ“ یعنی مرد عورتوں پر حکمران اور حاکم ہیں۔ اب بیٹھ کر عورتوں پر غم چلا رہے ہیں۔ اور ذہن میں یہ بات ہے کہ عورت کو ہر حال میں تابع اور فرمانبردار ہونا چاہئے اور ہمارا ان کے ساتھ آقا اور نوکر جیسا رشتہ ہے۔ معلہ اللہ۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت بھی نازل فرمائی ہے۔ وہ آیت مردوں کو یاد نہیں رہتی۔ وہ آیت یہ ہے کہ :

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةَ وَرَحْمَةٍ (اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے، اور تم دونوں میں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی)

(سورہ الروم ۲۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک مرد عورت کے لئے قوام ہے۔ لیکن ساتھ میں دوستی کا تعلق بھی ہے۔ انتظامی طور پر تو قوام ہے، لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، لہذا ایسا تعلق نہیں ہے جیسا آقا اور کنیز کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو دوست کہیں سر پر جلا رہے ہوں۔ اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنایا ہو۔ لہذا شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس دوستی کے تعلق کے کچھ آداب اور کچھ تقاضے ہیں۔ ان آداب اور تقاضوں میں ناز کی باتیں بھی ہوتی ہیں جن کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

ایسا رعب مطلوب نہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بعض مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حاکم ہیں، لہذا ہمارا اتنا رعب ہونا چاہئے کہ ہمارا نام سن کر بیوی کانپنے لگے۔ اور بے تکلفی کے ساتھ بات نہ کر سکے۔ میرے ایک ہم سبق دوست تھے، انہوں

نے ایک مرتبہ بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے یہ بات کہی کہ جب میں کئی مہینوں کے بعد اپنے گھر جاتا ہوں تو میرے بیوی بچوں کی جراثیم نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس آجائیں اور مجھ سے بات کریں، بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ رہے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ جب گھر جاتے ہیں تو کیا کوئی درندہ یا شیر چیتا بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے بیوی بچے آپ کے پاس آنے سے ڈرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ نہیں بلکہ اس لئے کہ ہم قوام ہیں، اہلدار عب ہونا چاہئے۔ اچھی طرح سمجھ لیں کہ قوام ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی بچے پاس آنے اور بات کرنے سے بھی ڈریں، بلکہ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے۔ اور وہ دوستی کا تعلق کس قسم کا ہونا چاہئے؟ سنئے!

حضور کی سنت دیکھئے

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو دونوں حالتوں میں مجھے علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کس طرح علم ہو جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو رب محمد (محمد کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو رب ابراہیم (ابراہیم کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو۔ اس وقت تم میرا نام نہیں لیتیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیتی ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

انی لا اھجر الا اسمک

یا رسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں۔ نام کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑتی ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب ما یجوز من الیھوان من عصى حدیث نمبر ۸۷-۶)

اب آپ اندازہ لگائیں کہ کون ناراض ہو رہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کس سے ناراض؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سے بعض اوقات ایسی بات فرمادیتی تھیں جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کے دل میں کدورت اور نرا منگی ہے لیکن اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی "قوامیت" کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوش طبعی کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا کہ تمہاری نرا منگی کا مجھے پتہ چل جاتا ہے۔

بیوی کے ناز کو برداشت کیا جائے

جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر عکین تہمت لگی گئی۔ استغفر اللہ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس تہمت کی وجہ سے قیامت گزر گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ظاہر ہے کہ اس بات کا قلق تھا کہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں پھیل گئی ہیں، لیکن ایک مرتبہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرما دیا کہ:

اے عائشہ! دیکھو بات یہ ہے کہ ہمیں اتنا غمگین ہونے کی ضرورت نہیں اگر تم بے خطا اور بے قصور ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری برائت ظاہر فرما دیں گے۔ اور اگر خدا خواستہ تم سے کوئی قصور اور غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو استغفر کر لو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بہت شوق گزری کہ آپ نے یہ دو باتیں کیوں کی کہ اگر بے قصور ہو تو اللہ تعالیٰ برائت ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر قصور ہوا ہو تو توبہ کر لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے دل میں بھی اس بات کا ہلکا سا احتمال ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا بہت سخت صدمہ ہوا، اور صدمہ سے غمگین ہو کر لیت گئیں، اور اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برائت کی آیات نازل ہوئیں۔ اس وقت گھر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب یہ آیات سنیں تو حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت خوش ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب انشاء اللہ یہ سدا بستن ختم ہو جائے گا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سے فرمایا کہ خوشخبری سن لو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری برائت میں آیات نازل فرمادی، اور اب کھڑی ہو جاؤ، اور آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرو، اب حضرت عائشہ بستر پر لیٹی ہوئی ہیں، اور برائت کی آیات سن لیں، اور لینے لیٹے فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے میری برائت نازل فرمادی لیکن میں اللہ کے سوا کسی کا شکر ادا نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ لوگوں نے تو اپنے دل میں یہ احتمال پیدا کر لیا تھا کہ شاید مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، سورۃ المنور باب (اذا انسموہ فتم لم یکن لنا) حدیث نمبر ۵۰۷۰)
 بظاہر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہونے سے اعراض فرمایا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا نہیں سمجھا، اس لئے کہ یہ نازیکی بات تھی۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سر زد ہوئی۔

یہ ناز و در حقیقت اس دوستی کا تقاضہ ہے، لہذا میں بیوی کے درمیان صرف حاکمیت اور محکومیت کا رشتہ نہیں ہے بلکہ دوستی کا بھی رشتہ ہے اور اس دوستی کا حق یہ ہے کہ اس قسم کے ناز کو برداشت کیا جائے۔ البتہ جہل بات بالکل غلط ہو گئی وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکولری اور غصہ کا بھی اظہار فرمایا۔ لیکن اس قسم کی نازیکی باتوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا فرمایا۔

بیوی کی دلجوئی سنت ہے

اور دوستی کا حق اس طرح ادا فرمایا کہ کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلتہ طور درجہت عالیہ کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ اور ہم کلامی ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے ساتھ ولداری اور دلجوئی اور حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں کہ یمن کے اندر گیارہ عورتیں تھیں۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ وہ سب ایک دوسرے کو اپنے اپنے شوہروں کی حقیقی اور واقعی حالت بیان کریں گی یعنی ہر عورت یہ بتائے گی کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ اس کے کیا اوصاف ہیں؟ ان گیارہ عورتوں

نے اپنے شوہروں کے اوصاف کس وضاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ساری ادبی لطافتیں اس پر ختم ہیں۔ وہ سدا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا رہے ہیں۔

(شمائل ترمذی باب ما جاء فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السورۃ حدث ام زرع)

بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق سنت ہے

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مقیم تھے، اور ان کی باری کا دن تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک حلہ پکا یا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر لائیں، اور لا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور حضرت سودہ بھی سامنے بیٹھی ہوئی تھیں ان سے کہا کہ آپ بھی کھائیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات گراں گزری کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے اور میری باری کا دن تھا تو پھر یہ حلہ پکا کر کیوں لائیں؟ اس لئے حضرت سودہ نے انکار کر دیا کہ میں نہیں کھاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ حلہ کھاؤ اور اگر نہیں کھاؤ گی تو پھر یہ حلہ تمہارے منہ پر مل دو گی، حضرت سودہ نے فرمایا کہ میں تو نہیں کھاؤں گی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا سا حلہ اٹھا کر حضرت سودہ کے منہ پر مل دیا۔ اب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! انہوں نے میرے منہ پر حلہ مل دیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں آیا کہ:

”وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا“

یعنی کوئی شخص اگر تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تو تم بھی بدلے میں اس کے ساتھ برا سلوک کر سکتے ہو۔ اب اگر انہوں نے تمہارے منہ پر حلہ مل دیا ہے تو تم بھی ان کے چہرے پر حلہ مل دو، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے تھوڑا سا حلہ اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مل دیا، اب دونوں کے چہروں پر حلہ ملا ہوا ہے اور یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو رہا ہے۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، پوچھا کہ کون ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں (شاید اس وقت تک پروے کے احکام نہیں آئے تھے) جب آپ نے یہ سنا کہ حضرت عمر تشریف لائے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم دونوں جلدی جا کر اپنے چہرے دھولو۔ اس لئے کہ عمر آرہے ہیں چنانچہ دونوں نے جا کر اپنا چہرہ دھویا۔

(مجمع الزوائد المہندی، جلد ۳ ص ۳۱۶)

وہ ذات جس کا ہر آن اللہ جل جلالہ کے ساتھ رابطہ قائم ہے۔ جس کی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے، اور وحی آ رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حضوری کا وہ مقام حاصل ہے جو اس روئے زمین پر کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود ازواج مطہرات کے ساتھ یہ انداز اور ان کی دلنداری کا اتنا خیال ہے۔

مقام ”حضوری“

ہم اور آپ زبان سے ”حضوری“ کا لفظ بول دیتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کا مزہ چکھ لے تو اس کو پتہ لگے گا کہ یہ کیا چیز ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کا خیال اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ پاؤں پھیلا کر نہیں سو سکتے، لیٹ نہیں سکتے، اس لئے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا احساس ہے، اور جب اپنا بڑا سامنے ہو تو کوئی شخص پاؤں پھیلا کر لیٹے گا؟ ہرگز نہیں لیٹے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کا احساس اور خیال اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ انسان پاؤں پھیلا کر لیٹ نہیں سکتا۔ لہذا جس ذات کو ”حضوری“ کا اتنا بڑا مقام حاصل ہو جو دنیا میں کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ وہ ازواج مطہرات کے ساتھ کس طرح خوش طبعی کے معاملات کر لیتے ہیں؟ یہ مقام صرف ایک پیغمبر ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

ورنہ گھر برباد ہو جائے گا

بہر حال! چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو ”قوام“ بتایا ہے اس لئے فیصلہ اسی کا ماننا

ہوگا۔ ہاں تم اپنی رائے اور مشورہ دے سکتی ہو۔ اور ہم نے مرد کو یہ ہدایت بھی دے رکھی ہے کہ وہ حتی الامکان تمہاری دلدادہی کا خیال بھی کرے لیکن فیصلہ اسی کا ہو گا۔ لہذا اگر یہ بات ذہن میں نہ ہو، اور بیگم صاحبہ یہ چاہیں کہ ہر معاملے میں فیصلہ میرا چلے اور مرد قوام نہ بنے، میں قوام بن جاؤں تو یہ صورت فطرت کے خلاف ہے۔ شریعت کے خلاف ہے۔ عقل کے خلاف ہے اور انصاف کے خلاف ہے اور اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔

عورت کی ذمہ داریاں

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے فرمایا کہ:

كَالْمَصَالِحَاتِ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

فرمایا کہ نیک عورتوں کا کام کیا ہے؟ نیک عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ ”قانتات“ ہیں یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والی۔ اللہ نے جو حقوق شوہر کے عائد کئے ہیں ان حقوق کو صحیح طور پر نبھانے والی اور شوہر کی غیر موجودگی میں شوہر کے گھر کی حفاظت کرنے والی۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت کا لازمی وصف قرار دیا۔ اور اس کے ذمے یہ فریضہ عائد کیا کہ جب شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اس وقت وہ اس کے گھر کی حفاظت کرے۔ گھر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اول تو خود اپنی حفاظت کرے کہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو اور شوہر کا جو مال و متاع ہے، اس کی حفاظت کرے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بیوی پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

الْعَوْرَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ نَفْسِهَا

(صحیح بخاری، کتب الجمعة، باب العدة فی القری والدین رقم ۸۹۳)

عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے۔ یعنی اس کے مال و متاع کی حفاظت عورت کے ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اکثر حالات میں عورت کے ذمہ کھانا پکانا واجب نہیں ہوتا۔ لیکن شوہر کے گھر کی حفاظت اور اس کے مال و متاع کی اس طرح حفاظت کہ وہ مال بیجا خرچ نہ ہو۔ قرآن کریم نے یہ اس کی ذمہ داری قرار دی ہے۔

زندگی قانون کے خشک تعلق سے نہیں گزر سکتی

یہ جو میں نے کہا کہ عورت کے ذمے کھانا پکانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ ایک قانون کی بات تھی۔ لیکن زندگی قانون کے خشک تعلق سے نہیں چلا کرتی، لہذا جس طرح قانون عورت کے ذمہ کھانا پکانا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت بیمار ہو جائے تو قانون شوہر کے ذمہ اس کا علاج کرانا، یا علاج کے لئے خرچہ دینا بھی ضروری نہیں۔ اور قانون شوہر کے ذمہ یہ بھی نہیں ہے کہ وہ عورت کو اس کے والدین کے گھر ملاقات کے لئے لے جایا کرے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ جب عورت کے ماں باپ اپنی بیٹی سے ملاقات کے لئے آئیں تو ان کو گھر میں بٹھائے۔ بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہفتہ میں صرف ایک دن عورت کے ماں باپ آئیں اور دور سے ملاقات اور زیارت کر کے چلے جائیں۔ گھر میں بٹھا کر ملاقات کرانا شوہر کے ذمہ ضروری نہیں۔ لہذا اگر قانون کے خشک تعلق کی بنیاد پر اگر زندگی بسر ہوتی شروع ہو جائے تو دونوں کا گھر برباد ہو جائے۔ بات جب چلتی ہے جب دونوں میں بیوی قانون کی بات سے آگے بڑھ کر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔ اور بیوی ازواج مطہرات کی سنت کی اتباع کرے۔

بیوی کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو

حضرت تھانوی قدس سرہ نے مواعظ میں ذکر فرمایا کہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ اس کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو، شوہر کا پیسہ خلط جگہ پر بلا وجہ صرف نہ ہو۔ اور فضول خرچی میں اس کا پیسہ ضائع نہ ہو۔ یہ چیز عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ نہ ہو کہ شوہر کا پیسہ دل کھول کر خرچ کیا جا رہا ہے۔ یا گھر کو نوکرائیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ جس طرح چلا رہی ہیں کر رہی ہیں۔ اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو یہ قانونی فرائض کے خلاف کر رہی ہے۔

ایسی عورت پر فرشتوں کی لعنت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اذا دعا الرجل امرأته ان فراشه فابت أن تجني لعنتها الملائكة

حق تصحیح۔

(صحیح بخاری۔ کتاب النکاح، باب لزومات امراة ما جرة فراش ذوبما، حدیث نمبر ۵۱۴۳)

حضرت ابو حریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور یہ میں بیوی کے مخصوص تعلقات سے کنایہ ہے۔ یعنی شوہر اپنی بیوی کو ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے بلائے۔ اور وہ عورت نہ آئے۔ یا ایسا طرز عمل اختیار کرے جس سے شوہر کا وہ فحشا پورا نہ ہو اور اس کی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے، ساری رات صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں کہ اس عورت پر خدا کی لعنت ہو اور لعنت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو حاصل نہیں ہوگی، اس لئے کہ تمہارے اتنے حقوق بیان کئے گئے۔ تمہارے حقوق کا لحاظ کیا گیا۔ اس کا مشاوریہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان جو تعلق ہے وہ درست ہو جائے۔ اور اس تعلق کی درستی کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ شوہر کو عفت حاصل ہو۔ پاک دامنی حاصل ہو۔ نکاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پاک دامنی حاصل ہو۔ اور نکاح کے بعد شوہر کو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس لئے تمہارے ذمے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اس معاملے میں تمہارے طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اگر کوتاہی ہوگی تو پھر فرشتوں کی طرف سے تم پر لعنت ہوتی رہے گی۔

دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

اذا باتت المرأة مع جرة فراش خروجها لعنتها ملائكة حق تصحیح۔

(حوالہ بالا، حدیث نمبر ۵۱۴۳)

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کا بستر چھوڑ کر رات گزرے تو اس کو فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔ میں تک کہ صبح ہو جائے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ حدیث شریف میں ایک چھوٹی بات کی گئی ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو اس کام کے لئے دعوت دی ہے اور وہ انکار کرے، یا ایسا طرز عمل اختیار کرے جس سے شوہر کا فحشا پورا نہ ہو سکے تو ساری رات لعنت ہوتی رہتی ہے۔ اور اگر شوہر کی اجازت اور شوہر کی مرضی کے بغیر عورت گھر سے باہر چلی جائے تو جب تک وہ گھر سے باہر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی لعنت ہوتی رہے گی۔ ان تمام معاملات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ ایک

ایک چیز بیان فرمادی، اس لئے کہ یہی چیزیں جھگڑا اور فساد کا باعث ہوتی ہیں۔

شوہر کی اجازت سے نفلی روزہ رکھے

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

لا یحل للمرأة ان تصوم زوجھا شاهد الا باذنہ، ولا تأذن فی

بیتہ الا باذنہ۔

(صحیح بخاری، کتب النکاح باب لا تأذن المرأة فی بیت زوجها، حدیث نمبر ۵۱۹۵)

حضرت ابو حریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں روزہ رکھے۔ مگر شوہر کی اجازت سے، یعنی کسی عورت کی نفلی روزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر حلال نہیں۔ نفلی عبادت کے کتنے فضائل احادیث میں مذکور ہیں لیکن عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دن کے وقت روزہ سے ہونے کی وجہ سے شوہر کو تکلیف ہو۔ اس لئے پہلے شوہر سے اجازت لے لے۔ البتہ شوہر کو چاہئے کہ وہ بلاوجہ بیوی کو نفلی روزے سے منع نہ کرے، بلکہ روزے کی اجازت دیدے۔ بعض اوقات میل بیوی کے درمیان اس بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے کہ بیوی کہتی ہے کہ میں روزہ رکھنا چاہتی ہوں اور شوہر کہتا ہے میں اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے مرد کو چاہئے کہ وہ بلاوجہ اس فحشیت کو حاصل کرنے سے بیوی کو منع نہ کرے۔ لیکن عورت کے لئے بلا اجازت روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اگر شوہر اجازت نہیں دیتا تو عورت وہ نفلی روزہ چھوڑ دے۔ اس لئے کہ شوہر کی اطاعت زیادہ مقدم ہے۔

شوہر کی اطاعت نفلی عبادت پر مقدم ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی اطاعت کو تمام نفلی عبادتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ لہذا جو ثواب اس عورت کو روزہ رکھ کر ملے اب شوہر کی اطاعت کرنے میں اس سے زیادہ ثواب ملے گا اور وہ عورت یہ نہ سمجھے کہ میں روزہ سے محروم ہو گئی۔ اس لئے کہ وہ یہ سوچے کہ روزہ کس لئے رکھ رہی تھی؟

روزہ تو اس لئے رکھ رہی تھی کہ ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک تیرا شوہر تجھ سے راضی نہیں ہو گا اس لئے جو ثواب تمہیں روزہ رکھ کر ملے، وہی روزے کا ثواب کھانے پینے کے بعد بھی ملے گا۔ انشاء اللہ

گھر کے کام کاج پر اجر و ثواب

بعض مرتبہ ہم لوگوں کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ یہ میں بیوی کے تعلقات ایک دنیاوی قسم کا معاملہ ہے۔ اور یہ صرف نفسانی خواہشات کی تکمیل کا معاملہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دینی معاملہ بھی ہے اس لئے کہ اگر عورت یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے یہ فریضہ عائد کیا ہے، اور اس قعلق کا مقصد شوہر کو خوش کرنا ہے۔ اور شوہر کو خوش کرنے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے۔ تو پھر یہ سدا عمل ثواب بن جاتا ہے۔ گھر کا جو کام خواتین کرتی ہیں، اور اس میں نیت شوہر کو خوش کرنے کی ہے۔ تو صبح سے لے کر شام تک وہ جتنا کام کر رہی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں لکھا جاتا ہے، چاہے وہ کھانا پکاتا ہو، گھر کی دیکھ بھال ہو، یا بچوں کی تربیت ہو، یا شوہر کا خیال ہو، یا شوہر کے ساتھ خوش دلی کی باتیں ہوں، ان سب پر اجر لکھا جا رہا ہے بشرطیکہ نیت درست ہو۔

جنسی خواہش کی تکمیل پر اجر و ثواب

اور اس موضوع پر بالکل صریح حدیث موجود ہے کہ حضور مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بیوی کے جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو انسانی اپنی نفسانی خواہشات کے تحت کرتا ہے۔ اس پر کیا اجر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ ان نفسانی خواہشات کو ناجائز طریقے سے پورا کرتے تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گناہ ضرور ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ میں بیوی ناجائز طریقے کو چھوڑ کر جائز طریقے سے نفسانی خواہشات کو میری وجہ سے اور میرے حکم کے ماتحت کر

رہے ہیں اس لئے اس پر بھی ثواب ہو گا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۶۹، ۷۰)

اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

ایک حدیث جو میں نے خود تو نہیں دیکھی البتہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے مواعظ میں یہ حدیث پڑھی ہے اور حضرت تھانویؒ نے کئی جگہ اس حدیث کا ذکر فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ شوہر باہر سے گھر کے اندر داخل ہوا اور اس نے محبت کی نگاہ سے بیوی کو دیکھا اور بیوی نے محبت کی نگاہ سے شوہر کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہذا یہ میں بیوی کے تعلقات محض دنیوی قصہ نہیں ہے۔ یہ آخرت اور جنت و جہنم بنانے کا راستہ بھی ہے۔

قضا و روزوں میں شوہر کی رہایت

ترمذی شریف میں حدیث ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے مہینے میں طبعی مجبوری کی وجہ سے چار روزے مجھ سے قضا ہو جاتے تھے، میں عام طور پر ان روزوں کو آنے والے شعبان کے مہینے میں رکھا کرتی تھی یعنی تقریباً گیارہ ماہ بعد یہ میں اس لئے کرتی تھی کہ شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ لہذا اگر اس زمانے میں بھی میں روزے سے ہوں گی۔ اور آپ بھی روزے سے ہوں گے تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے نسبت اس کے کہ میں روزہ سے ہوں۔ اور آپ کا روزہ نہ ہو حالانکہ وہ نقلی روزے نہیں تھے۔ بلکہ رمضان کے قضا روزے تھے۔ اور قضا روزوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کو جتنا جلدی ہو سکے، ادا کر لینے چاہئیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف آپ کی تکلیف کے خیال سے شعبان تک مؤخر فرماتی تھیں۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الصیام، باب قضاء رمضان فی شعبان۔ حدیث نمبر ۱۱۳۴)

بیوی گھر میں آنے کی اجازت نہ دے

اس حدیث کا اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ :

وَلَا تَأْذَنَ فِي مِثْلِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ

یعنی عورت کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ شوہر کے گھر میں کسی کو شوہر کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہ دے۔ یا کسی ایسے شخص کو گھر کے اندر آنے کی اجازت دے جس کو شوہر ناپسند کرتا ہو۔ یہ عورت کے لئے بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس بات کو اور تفصیل سے بیان فرمایا کہ :

اللائع لکم علی نساکم حقاً ونساکم علیکم حقاً وحقکم
علیہن ان لا یوطین فرشکم من نکرھون ولا یاذن فی بیوتکم
لن من نکرھون۔

(ترمذی، کتاب الرضایع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر ۱۱۶۳)

یاد رکھو تمہارا تمہاری بیویوں پر بھی کچھ حق ہے اور تمہارے بیویوں کا تم پر کچھ حق ہے یعنی دونوں کے ذمے ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں اور دونوں کے حقوق کی نگہداشت اور پاسداری فریقین پر لازم ہے۔ وہ حقوق کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ اے مردو! تمہارا حق ان بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ایسے لوگوں کو استعمال نہ کرنے دیں جنہیں تم پسند کرتے ہو اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں، جن کا آنا تم ناپسند کرتے ہیں یہاں دو حق بیان فرمائے ایک یہ کہ بیوی کے ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ گھر کے اندر کسی ایسے شخص کو آنے نہ دے جس کے آنے کو شوہر پسند کرتا ہی نہ ہو حتیٰ کہ اگر بیوی کے کسی عزیز کا گھر میں آنا شوہر کو پسند ہو تو اس صورت میں اپنے عزیزوں کو بھی گھر میں آنے کی اجازت دینا بھی جائز نہیں۔ اور والدین کو بھی صرف اتنی اجازت ہے کہ بخت میں ایک مرتبہ آکر بیٹی کی صورت دیکھ لیں۔ اس سے تو شوہر ان کو روک نہیں سکتا۔ لیکن ان کے لئے بھی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر میں ٹھہرنا اور رہنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ جن کو تم پسند کرتے ہو ان کو آنے کی اجازت نہ دو، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بیویاں تمہارے بستروں کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو بستر کے استعمال میں سب چیزیں داخل ہیں یعنی بستر پر بیٹھنا، بستر پر لیٹنا، بستر پر سونا یہ سب اس میں داخل ہیں۔

حضرت ام حبیبہ کا اسلام لانا

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ حضرات صحابہ کرام کے واقعات کے اندر نور بھرا ہوا ہے۔ یہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جنہوں نے تقریباً ایک سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں گزارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑیں اور مکہ مکرمہ کے سرداروں میں سے تھے اور آخر میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو کر صحابی بن گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ تھا کہ کافروں کے اتنے بڑے سردار کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر دونوں مسلمان ہو گئے، باپ مسلمان کی مخالفت اور ان کے ساتھ عداوت میں لگا ہوا ہے، اور بیٹی اور داماد دونوں مسلمان ہو گئے، ان دونوں کے مسلمان ہونے سے ابوسفیان کے کلیجے پر چھری چلتی تھی اور ان کو بیٹی اور داماد کا مسلمان ہونا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کو تکلیفیں پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ اس زمانے میں بہت سے مسلمان کافروں کی تکلیفوں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی تھے۔ یہ دونوں وہاں جا کر رہنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عجیب و غریب انداز ہیں، جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ میں قیام کیا تو کچھ دنوں کے بعد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میرے شوہر کی صورت بالکل بدل گئی ہے۔ اور منہ ہو گئی ہے۔ جب یہ بیدار ہوئیں تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کیسے ایسا تو نہیں کہ میرے شوہر کے دین و ایمان پر کچھ خصل آ جائے اس کے بعد جب کچھ دن گزرے تو اس خواب کی تعبیر سامنے آگئی اور یہ ہوا۔ ان کے شوہر ایک عیسائی کے پاس جایا کرتے تھے اس کے پاس جانے کے نتیجے میں دل سے ایمان نکل گیا اور عیسائی بن گئے۔

اب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تو بجلی گر گئی اسلام سے خاطر ماں باپ کو چھوڑا، وطن کو چھوڑا، سدا سے عزیز و اقارب کو چھوڑا، اور آکر اس دیار غربت میں مقیم ہو گئے۔ اور سدا سے ایک شوہر جو بہرہ ور اور دم ساز ہو سکتا تھا۔ وہ کافر ہو گیا، اب ان پر تو قیامت گزر گئی۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان سے شوہر کا اسی حالت میں انتقال ہو گیا، اب یہ حبشہ کے اندر ماکل شاہ رہ گئیں، کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

ادھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں اس کی اطلاع ملی کہ ان کے شوہر عیسیٰ بن کر انتقال کر گئے ہیں اور حضرت ام حبیبہ دیار غیر میں اکیلی اور تنہا ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو پیغام بھیجا کہ چونکہ ام حبیبہ دیار غیر میں اکیلی اور تنہا ہیں۔ ان کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دے دو چنانچہ نجاشی کی معرفت ان کو نکاح کا پیغام بھیجا گیا۔

چنانچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنا واقعہ سناتی ہیں کہ ایک دن میں اسی بے بسی کے عالم میں گھر میں بیٹھی تھی، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ باہر ایک کنیز کھڑی ہوئی ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ: کہاں سے آئی ہو؟ اس کنیز نے جواب دیا کہ: مجھے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھیجا ہے (یہ وہی نجاشی ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئے تھے) انہوں نے پھر پوچھا کہ: کیوں بھیجا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ اور نجاشی بادشاہ کی معرفت بھیجا ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت یہ الفاظ میرے کان میں پڑے، اس وقت مجھے اس قدر سرت اور حیرت ہوئی کہ میرے پاس اس وقت جو کچھ بھی تھا۔ وہ میں نے اٹھا کر کنیز کو دیدیا اور کہا کہ تو میرے لئے اتنی اچھی خبر لائی ہے۔ اس لئے یہ تیرا انعام ہے۔ اس کے بعد اس حالت میں ان دونوں کے درمیان نکاح ہوا کہ حضرت ام حبیبہ حبشہ ہی میں تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ بلوانے کا انتظام فرمایا۔

(الاصابة فی تميز الصحابة، ج ۳ ص ۲۹۸۔ لفظ "سہ")

متعدد نکاح کی وجہ

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متعدد نکاح فرمائے۔ ناحق شہس اوگ تو معلوم نہیں کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ لیکن ہر نکاح کے پیچھے بڑی عظیم الشان

حتمیں ہیں۔ اس نکل میں دیکھ لیجئے کہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ میں کس مہری کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس طرح دلہاری نہ فرماتے تو ان کا کیا بنتا، آپ نے اس طریقے سے ان سے نکلان فرمایا کہ ان کو مدینہ طیبہ بلوایا۔

غیر مسلم کی زبان سے تعریف

یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ اور معجزہ ہے کہ جس وقت ام حبیبہ

رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا۔ تو اس کی اطلاع مکہ مکرمہ میں حضرت ابو سفیان کو پہنچی، اور اس وقت حضرت ابو سفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور کافر تھے۔ جب ان کو یہ اطلاع ملی کہ میری بیٹی کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا ہے۔ اس وقت میساختہ ان کی زبان پر جو کلمہ آیا، وہ یہ تھا کہ: یہ خبر تو خوشی کی خبر ہے، اس لئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے پیغام کو رد کیا جائے۔ لہذا یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے کہ ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) وہاں چلی گئیں۔

معلدے کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو سفیان کے درمیان جنگ بندی کا ایک - معاہدہ ہوا تھا۔ کتب سیرت میں جس کی تفصیل موجود ہے۔ ایک سال تک حضرت ابو سفیان اور دوسرے کافروں نے اس معاہدے کی شرائط کی پابندی کی، لیکن ایک سال کے بعد انہوں نے عہد شکنی شروع کر دی۔ اس عہد شکنی کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ اب ہم اس معاہدے کے پابند نہیں رہے، اس لئے اب ہم جب چاہیں گے مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیں گے۔ کیونکہ ہمارے دشمنوں نے جب عہد کا پاس نہیں کیا تو اب ہم بھی اس کے پابند نہیں رہے، اس اعلان کے بعد حضرت ابو سفیان کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کسی وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔

آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں

ایک مرتبہ حضرت ابو سفیان شام سے واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں نے ان کو اور ان کے قافلے کو گرفتار کر لیا تو حضرت ابو سفیان رات چھپ چھپا کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اور یہ خیال ہوا کہ میری بیٹی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہیں، لہذا میں ان سے بات کروں گا تو شاید میری جان بخشی ہو جائے۔ چنانچہ یہ چھپ کر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے۔ بیٹی نے ان کا استقبال کیا۔ جس وقت یہ گھر میں داخل ہوئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر گھر میں بچھا ہوا تھا۔ حضرت ابو سفیان گھر میں داخل ہو کر اس بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تیزی سے آگے بڑھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ایک طرف ہٹا کر لیٹ کر رکھ دیا۔ (حضرت ابو سفیان کو بیٹی کا طرز عمل بڑا اچھنکا اور عجیب محسوس ہوا اور ایک جملہ یہ کہا کہ :

رملہ! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے،

یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ :

”ابا جان! بات یہ ہے کہ آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں اس واسطے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور جو آدمی مشرک ہو، میں اس کو اپنی زندگی میں اس بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی“

اس پر (حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ :

”رملہ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم اتنی بدل جاؤ گی کہ اپنے باپ کو

بھی اس بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دو گی“

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ عمل کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر اپنے باپ کو بھی بیٹھنے سے منع فرمایا۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے کہ : ”لا یطعن برشکم من نکرھون“ جن کو تم ناپسند کرتے ہو، ان لوگوں کو وہ بیویاں تمہارا بستر استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں۔

بیوی فوراً آجائے

"وعن طلق بن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال: اذا دعا الرجل زوجته لحاجته فلتأته وان كانت علی
التنوير؛"

(ترمذی، کتاب الرضلع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة۔ حدیث نمبر ۱۱۶۰)

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے۔ تو اس عورت پر واجب ہے کہ وہ آجائے، خواہ وہ نور پر بھی کیوں نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ عورت روٹی پکانے کے کام میں مشغول ہو، اس وقت بھی اگر شوہر اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے اس کو دعوت دے اور بلائے تو وہ انکار نہ کرے۔

نکاح جنسی تسکین کا حلال راستہ

ان ... کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و عورت کے اندر فطری طور پر ایک جنسی جذبہ اور خواہش رکھی ہے۔ اور اس فطری جذبے اور خواہش کی تسکین کے لئے ایک حلال راستہ تجویز فرما دیا ہے، وہ ہے نکاح کا راستہ، اور شوہر بیوی کے تعلقات میں اس ضرورت کو پورا کرنا اولین اہمیت کا حامل ہے، اس لئے حلال کے سارے راستے کھول دیئے، تاکہ کسی بھی مرد و عورت کو حرام طریقے سے اس جذبہ اور خواہش کی تسکین کا خیال پیدا نہ ہو، بیوی کو شوہر سے تسکین ہو، اور شوہر کو بیوی سے تسکین ہو، تاکہ دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

نکاح کرنا آسان ہے

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے نکاح کے رشتے کو بہت آسان بنایا۔ کہ صرف مرد و عورت موجود ہوں، اور دو گواہ موجود ہوں، اور وہ مرد عورت ان کو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کر لیں۔ بس نکاح ہو گیا، حتیٰ کہ خطبہ نکاح پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ البتہ

خطبہ پڑھنا سنت ہے، اسی طرح کسی قاضی سے یا کسی اور سے نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، اگر دوسرے سے پڑھوائے تو یہ سنت ہے، لیکن اس کے بغیر بھی اگر مرد و عورت خود دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کر لیں ایک کسے کہ میں نے تم سے نکاح کیا، اور دوسرا کسے کہ میں نے قبول کیا پس! نکاح منعقد ہو گیا۔ نکاح کے لئے نہ تو مسجد میں جانے کی ضرورت ہے اور نہ درمیان میں تیسرے شخص کو ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ حلال کاراستہ آسان سے آسان ہو جائے۔

برکت والا نکاح

اور دوسری طرف یہ تاکید فرمائی کہ نکاح کا معاملہ اور نکاح کی تقریب سادگی اور آسانی کے ساتھ انجام دی جائے، کوئی رسم کوئی شرط، کوئی لمبی چوڑی تقریب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کی فکر کرو، تاکہ اس کو حرام کی طرف جانے کی خواہش اور ضرورت پیدا نہ ہو، اور حلال کاراستہ آسان ہو جائے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَنْ اعْطَاهُ النِّكَاحَ بَرَكَةً أَيْسَرًا مَوْثَنَةً

(مسند احمد - ۸۲: ۶)

سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بہت سے زیادہ آسانی ہو۔ اور سادگی ہو، نکاح کو جتنا پھیلایا جائے گا اور جتنا اس کے اندر دھوم دھڑکا ہو گا، اسی قدر اس میں برکت کم ہوتی چلی جائے گی۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف کا نکاح

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائی میں خوش خبری سنا دی تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے، ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی قیص کے اوپر زرد نشان اور رنگ لگا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری قیص پر یہ زرد نشان کیسا لگا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے۔ اور نکاح کے وقت ایک خوشبو لگائی تھی۔ اور یہ خوشبو کا نشان ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بارک اللہ لک وعلیک اولمہ ولوبشاة

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب "ما اذا حبس النساء فاسروا" حدیث نمبر ۲۰۳۸)
اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے برکت عطا فرمائیں ورنہ کراؤ چاہے وہ ایک بکری سے کیوں نہ ہو۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی صحابی ہیں، لیکن نکاح کی تقریب میں صرف یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا نہیں، بلکہ ذکر تک نہیں کیا۔ اور پھر جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ کے برے میں پوچھا تو اس کے جواب کے ضمن میں نکاح کی اطلاع دی۔ اور نکاح کی خبر سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت نہیں کی کہ تم اکیلے نکاح کر کے بیٹھ گئے۔ ہمیں بلایا تک نہیں اس لئے کہ شریعت نے نکاح کی تقریب پر سرے سے کوئی شرط اور قید عائد نہیں کی۔

آج نکاح کو مشکل بنا دیا گیا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج النساء، حدیث نمبر ۵۰۷۷) یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبی صحابی ہیں۔ اور ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے رہتے تھے، لیکن نکاح میں شرکت کی دعوت نہیں دی۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مہلک میں اس کا نام رواج تھا کہ نکاح کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا تھا یہ نہیں تھا کہ نکاح ہو رہا ہے تو ایک طوفان برپا ہے۔ عینوں سے اس کی تیاریاں

ہو رہی ہیں۔ اور پورے خاندان میں اس کی دھوم ہے اس کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ شریعت نے نکاح کو جتنا آسان کیا تھا، ہم نے اس کو اپنی غلط رسموں کے ذریعہ اتنا ہی مشکل بنا دیا، اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ لڑکیاں بغیر نکاح کے گھروں میں بیٹھی ہیں۔ وہ اس لئے گھروں میں بیٹھی ہیں کہ جیز میا کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ یا اعلیٰ شان تقریب کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ اب ان کاموں کے لئے پیسے جمع کرنے کے لئے حلال و حرام ایک ہو رہا ہے۔ یہ سب رسومات ہم نے ہندوؤں سے اور عیسائیوں سے لے لی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کا جو طریقہ ہمارے لئے فرمایا تھا کہ وہ ہم نے چھوڑ دیا اور آج اس کا نتیجہ ہے کہ حلال کے راستے بند ہیں، حلال طریقے سے خواہش پوری کرنے کے لئے بست مل و دولت والا ہونا ضروری ہے لاکھوں روپیہ ہو۔ تب جا کر نکاح کر سکے گا۔ ورنہ نہیں، اور دوسری طرف حرام کے ذرائع چاروں طرف چوٹ کھلے ہیں۔ جب چاہے، جس طرح چاہے پوری کر لے۔ دن رات گھر میں ٹی وی چل رہی ہے، فلمیں آرہی ہیں اور اس کے ذریعہ نفسانی اور شہوانی جذبات کو یہ برا بھلا کھینچ کر لیا جا رہا ہے۔ ان کو بھڑکایا جا رہا ہے، اگر بازار میں نکلو، آنکھوں کو پتہ ملنی مشکل ہے۔ اور اس کے نتیجے میں فحاشی، عریانی، بے غیرتی اور بے حیائی۔ اور بے پردگی کی لعنت مسدود ہو رہی ہیں۔ لہذا ان رسومات نے ہمارے معاشرے کو جہنمی کے کندھے پر پہنچا دیا ہے۔

جہیز موجودہ معاشرے کی ایک لعنت

اس معاملے میں سب سے زیادہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو کھاتے پیتے، امیر اور دولت مند گھرانے کھاتے ہیں۔ اس عذاب سے نجات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کھاتے پیتے اور امیر کھانے والے لوگ اس بات کا اقدام نہ کریں کہ ہم اپنے خاندان میں شادیاں اور نکاح سادگی کے ساتھ کریں گے، اور ان غلط رسموں کو ختم کریں گے، اس وقت تک تبدیلی نہیں آئے گی، اس لئے کہ ایک غریب آدمی تو یہ سوچتا ہے کہ مجھے اپنی سفید پوشی برقرار رکھنے ہوئے اور اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے مجھے یہ کام کرنا ہی ہے۔ اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہو گا، اگر لڑکی کو جیز نہیں دیں گے تو

سسرال والے طعنے دیا کریں گے کہ کیا لکھ آئی تھی۔۔۔ آج جیز کو شادی کا ایک لازمی حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گھر گھر سی کا سلان مہیا کرنا جو شوہر کے ذمے واجب تھا۔ وہ آج بیوی کے باپ کے ذمے واجب ہے، گویا کہ وہ باپ اپنی بیٹی اور اپنے جگر کا ٹکڑا بھی شوہر کو دے دے، اور اس کے ساتھ لاکھوں روپیہ بھی دے، گھر کا فرنیچر مہیا کرے اور اس طرح وہ دوسرے کا گھر آباد کرے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ٹھیک ہے اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو وہ سادگی کے ساتھ دے دے، بہر حال جو متمول اور کھاتے پیتے گھرانے کھاتے ہیں۔ ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ جب تک اس سلوگی کو نہیں اپنائیں گے اور اس کو ایک تحریک کی شکل میں نہیں چلائیں گے اس وقت تک اس عذاب سے نجات ملنی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہلے دلوں میں ڈال دے۔ آمین

عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے

”وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لو كنت آمر أحدًا أن يسجد لأحد لامرت المرأة أن تسجد لزوجها“

(ترمذی، کتاب الرضخ، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة، حدیث نمبر ۱۱۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر میرے لئے کسی کو یہ حکم دینا جائز ہو تا کہ ایک شخص دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں لہذا میں یہ سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ لیکن اگر اس دنیا میں کسی انسان کے لئے دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

یہ دو دلوں کا تعلق ہے

زندگی کے سفر میں جہل مرد و عورت ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس میں اللہ

تعلق نے مرد کو "امیر" اور "نگران" بنایا ہے۔ اس "املت" کے علاوہ اور جتنی املتیں ہیں وہ سب وقتی اور عارضی ہیں۔ آج ایک آدمی امیر اور حاکم بن گیا۔ یا ملک کا بادشاہ بنا دیا گیا لیکن اس کی حاکمیت اور بادشاہت اور املت ایک مخصوص وقت تک کے لئے ہے۔ کل تک حاکم اور امیر بنا ہوا تھا، اور آج وہ جیل خانے میں ہے، کل تک بادشاہ بنا ہوا تھا۔ اور آج دو کوڑی کے لئے پوچھنے کو تیار نہیں، لہذا یہ املتیں اور حکومتیں آنی جانی چیزیں ہیں۔ آج ہے، کل نہیں۔ لیکن میں بیوی کا تعلق یہ زندگی بھر کا تعلق ہے۔ دم دم کا ساتھ ہے، ایک ایک لمحے کی رفاقت ہے، لہذا اس تعلق کے نتیجے میں مرد کو جو املت حاصل ہوتی ہے، وہ مرتے دم تک برقرار رہتی ہے یا جب تک نکاح کا رشتہ برقرار ہے۔ اس لئے یہ "املت" عام املتوں سے مختلف ہے۔ دوسری املتوں میں حاکم کا حکوم کے ساتھ، امیر کا رعیت کے ساتھ صرف ایک ضابطے کا دستوری اور قانونی تعلق ہوتا ہے، لیکن میں بیوی کا تعلق محض ضابطے، قانون اور محض خندہ پری کا تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ دلوں کا جوڑ ہے، یہ دلوں کا تعلق ہے، جس کے اثرات ساری زندگی پر محیط ہیں۔ اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، کیونکہ وہ اس کی زندگی بھر کے سر کا امیر ہے۔

سب سے زیادہ قتل محبت ہستی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں، جب شوہر سے خطاب تھا اس وقت ساری باتیں عورت کے حقوق کے بارے میں بیان کی جلدی تھیں کہ عورت کے یہ حقوق ہیں، عورت کے یہ حقوق ہیں۔ اب جب عورت سے خطاب ہو رہا ہے تو عورت کو اس کے فرائض کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بعد تمہارے لئے سب سے زیادہ قتل احرام اور سب سے زیادہ قتل محبت ہستی اس روئے زمین پر تمہارا شوہر ہے۔ جب تک یہ بات نہیں سمجھو گی، شوہر کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کر پاؤ گی۔ البتہ اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم سب پر مقدم ہے، جب اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم آ جائے تو پھر

نہ باپ کی اطاعت، نہ ماں کی اطاعت، اور نہ شوہر کی اطاعت، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کے بعد شوہر کا درجہ ہے۔ اس کو خوش کرنے کی فکر کرو، اس کے حقوق ادا کرنے کی فکر کرو، اس کی اطاعت کی فکر کرو۔

جدید تہذیب کی ہر چیز الٹی

آج ہمارے دور میں ہر چیز کے اندر الٹی گنگا بننے لگی ہے، حضرت قادی محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کی تہذیب میں ہر چیز الٹی ہو گئی ہے، یہاں تک کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوا کرتا تھا۔ اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے اور اس درجہ الٹی ہو گئی ہے کہ گھر کا کام کاج اگرچہ شرعاً عورت کے ذمے واجب نہ ہو لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت ضرور ہے، اس لئے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتی تھیں۔ اور دوسری طرف عورت کو شوہر کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا کہ ان کی اطاعت کرو۔ اب اگر ایک عورت گھر کا کام کاج کرتی ہے اور اپنے شوہر اور بچوں کے لئے کھانا پکاتی ہے تو اس پر اس کے لئے اعلیٰ ترین اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ لیکن آج کی الٹی تہذیب کا فیصلہ یہ ہے کہ عورت کا گھر میں بیٹھنا اور گھر کا کام کاج تو رخصت پسندی، دقیادسیت اور پرائیویٹ ہے، اور یہ عورت کو گھر کی چادر دیواری میں قید کرتا ہے، لیکن اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر چار سو آدمیوں کو کھانا کھلائے، اور ان کے سامنے ٹرے سجا کر لے جائے، اور چار سو آدمیوں کی ہولناک نگاہوں کا نشانہ بنے، ایک شخص اس سے کوئی خدمت لے رہا ہے، دوسرا شخص اس سے کوئی خدمت لے رہا ہے، اور بعض اوقات بلاوجہ خدمت لیتے ہیں، کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی، کسی نے نفل بجا کر اس کو بلایا، اور اسی سے کہا کہ یہ تکیہ اٹھا کر دے دو، اس خدمت کا نام آج کی جدید تہذیب میں آزادی ہے اور اگر وہی عورت گھر میں اپنے شوہر اپنے بچوں اور اپنے بہن بھائیوں کے لئے یہ خدمت انجام دے تو اس کا نام ”دقیادسیت“ ہے اور یہ ترقی کے خلاف ہے،

اگر وہی عورت ہوٹل میں ”ویٹرس“ بنی ہوئی ہے، اور دن رات لوگوں کی خدمت انجام دے رہی ہے، کھانا کھلا رہی ہے، تو وہ ”آزادی نسواں“ کا ایک حصہ ہے، یا وہ کسی کی سیکرٹری بن جائے۔ یا وہ عورت کسی کی اسٹیوگرافر بن جائے۔ یہ تو آزادی

ہے اور اگر یہ غور کام گھر میں رہ کر اپنے شوہر اپنے بچوں اور مہل باپ کے لئے یہ کام کرے تو اس کو "دقیانویت" کا نام دے دیا گیا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ملا کرے

عورت کی ذمہ داری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عورت کے ذمے دنیا کے کسی فرد

کی خدمت واجب نہیں نہ اس کے ذمے کوئی ذمہ داری ہے اور نہ اس کے کاندھوں پر کسی کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، تم ہر بوجھ اور ہر ذمہ داری سے آزاد ہو۔ لیکن صرف ایک بات ہے کہ تم اپنے گھر میں قرار سے رہو۔ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرو، اور اپنے بچوں کی تربیت کرو یہ تہمدا فریضہ ہے اور اس کے ذریعہ تم قوم کی تعمیر کر رہی ہو۔ اور اس کی معملہ بن رہی ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں عزت کا یہ مقام دیا تھا۔ اب تم میں سے جو چاہے اس عزت کے مقام کو اختیار کرے، اور جو چاہے ذلت کے مقام کو اختیار کرے۔ جو آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔

وہ عورت سیدھی جنت میں جائیگی

”وعن ام سلمة رضوانہ تعالیٰ علیہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”ایما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت

الجنة“

(ترمذی، کتب الرضاء، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة حدیث نمبر ۱۱۶۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ سیدھی جنت میں جائے گی۔

وہ تمہارے پاس چند دن کا مہمان ہے

"عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ . عن ابی صلی اللہ علیہ
وسلم قال . لا تؤذی امرأة من وحيها ف الدنيا الا قالت
زوجة من الحور العين لا تؤذیه قاتلك الله ! فانما هو عندك
دخيل یوشک أن یفارقک الیما"

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب نمبر ۱۹ صحت نمبر ۱۱۷۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: جب کبھی کوئی بیوی اپنے شوہر کو کوئی تکلیف پہنچاتی ہے۔ (اس
لئے کہ بسا اوقات عورت کی طبیعت سلامتی کی حامل نہیں ہوتی۔ اور اس کی طبیعت میں
فساد اور بگاڑ ہوتا ہے۔ اور اس فساد اور بگاڑ کے نتیجے میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچا رہی
ہے) تو اس کے شوہر کی جو بیویاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت میں حوروں کی شکل میں اس
کے لئے مقدر فرمائی ہیں، وہ حوریں جنت سے اس دنیاوی بیوی سے خطاب کر کے کہتی
ہیں کہ:

"تو اس کو تکلیف مت پہنچا، اس لئے کہ یہ تمہارے پاس چند دن کا مہمان
ہے، اور قریب ہے کہ وہ تم سے جدا ہو کر ہرے پاس آ جائے"
یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فساد طبیعت رکھنے والی بیوی کو متوجہ کر
کے فرما رہے ہیں کہ تم جو اپنے شوہر کو جو تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اس سے اس کا کچھ نہیں
بگڑتا۔ اس لئے کہ دنیا میں تو اس کو جو چاہو گی تکلیف پہنچا دو گی۔ لیکن آخرت میں اللہ
تبارک و تعالیٰ اس کا رشتہ ایسی "حور عین" کے ساتھ قائم فرمائیں گے، جو ان شوہروں
سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ ان کے دل کو ابھی سے اس بات کی تکلیف ہو رہی ہے کہ دنیا
میں ہمارے شوہر کے ساتھ یہ کیسا تکلیف پہنچانے والا معاملہ کیا جا رہا ہے۔

مردوں کے لئے شدید ترین آزمائش

"وعن اسامة بن زيد رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال ماترکت بعدی فتنة هي أضرب على الرجال من النساء ۲

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ما ینبی من شوم المرأة حدیث نمبر ۵۰۹۶)
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو نسبت عورتوں کے فتنے کے، عورتوں کا فتنہ اس دنیا میں مردوں کے لئے شدید ترین فتنہ ہے، اس حدیث کی آگے تشریح لکھی جائے تو ایک ضخیم کتب لکھی جاسکتی ہے کہ یہ عورتیں مردوں کے لئے کس کس طریقے سے فتنہ ہیں۔

عورت کس طرح آزمائش ہے؟

فتنہ کے معنی ہیں ”آزمائش“ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس دنیا میں مردوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ عورت کس کس طریقے سے آزمائش ہے؟ ایک مختصر مجلس میں اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ یہ عورت اس طریقے سے بھی آزمائش ہے جس طریقے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی۔ یعنی مرد کی طبیعت میں عورت کی طرف کشش کا ایک میلان رکھ دیا گیا۔ اب اس کے حلال راستے بھی بیان کر دیئے، اور حرام راستے بھی بیان کر دیئے۔ اب آزمائش اس طرح ہے کہ یہ مرد حلال کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یا حرام کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یہ مرد کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہے۔

اس کے ذریعہ دوسری آزمائش اس طرح ہے کہ یہ بیوی جو اس کے لئے حلال ہے۔ اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ویسا سلوک کرتا ہے یا اس کی حق تلفی کرتا ہے۔ تیسری آزمائش یہ ہے کہ یہ شخص بیوی کی محبت اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ایسا غلو اور استہاک تو نہیں کرتا کہ اس کے مقابلے میں دین کے احکام کو پس پشت ڈال دے، یہ تو اس نے سن لیا کہ بیوی کو خوش کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔ لیکن اب حرام اور ناجائز کاموں میں بھی اس کی دلچسپی کر رہا ہے۔ اور اس کی صحیح

دینی تربیت نہیں کر رہا ہے۔ اس طرح بھی یہ آزمائش ہے۔ اس لئے کہ مرد کو دونوں طرف خیل رکھنا ہے۔ ایک طرف محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ بیوی پر روک ٹوک نہ کرے، اور دوسری طرف دین کا تقاضہ یہ ہے خلاف شرع کاموں پر روک ٹوک کرے۔ غرض آزمائشوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے انسان ان تمام آزمائشوں سے سرخ روئی کے ساتھ اس طرح نکل سکتا ہے کہ اس کے حقوق بھی ادا کرے۔ اس کی تعلیم و تربیت کا بھی خیل رکھے۔ اس کے نفع و نقصان کا بھی خیل رکھے، اور حرام کی طرف بھی متوجہ نہ ہو ان تمام باتوں کا خیل کرنا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی خاص توفیق ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تلقین فرمائی ہے۔ جو آپ کی ماٹور دلوں میں سے ہے کہ:

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النِّسَاءِ

اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں عورتوں کے فتنے سے اشدہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اس آزمائش میں کھرا تار اور سرخ رو ہونا اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں، لہذا انسان کو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے رہنا چاہئے کہ اے اللہ! مجھے اس آزمائش میں پورا تار دیجئے، اور بھٹکنے اور پھسلنے سے اور غلطی کا مرتکب ہونے سے بچا لیجئے، اس لئے اس ماٹور دعا کو اپنی دلوں میں شامل کر لینا چاہئے۔

ہر شخص نگہبان ہے

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال: کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ:

(صحیح بخاری کتب الجامعہ، باب الحمتہ فی القری والدن، حدیث نمبر ۸۹۴)

یہ بڑی عجیب و غریب حدیث ہے اور جوامع الکلم میں سے ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص اس حدیث کا مخالف ہے، چنانچہ فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے۔ اور ہر شخص سے اس کے زیر نگہبان اشیاء اور افراد کے بارے میں سوال ہوگا، یعنی جن چیزوں کی نگہبانی اس کے سپرد کی گئی تھی۔ اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا، ”راعی“ کے اصل معنی ہوتے ہیں ”نگہبان“ اور چرواہے کو بھی ”راعی“ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ

بکریوں کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور ”رائی“ کے معنی ”حاکم“ کے بھی ہوتے ہیں، اور حاکم کے جو ماتحت ہوتے ہیں۔ ان کو ”رعیت“ کہا جاتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص ”رائی“ ہے۔ اور ہر شخص سے اس کی ”رعیت“ کے بدلے میں سوال ہو گا۔ کہ ان کی نگہبانی تم نے کس طرح کی؟

”امیر“ رعایا کا نگہبان ہے

”والامیداع“

ہر امیر اپنے زیر نگہبانی افراد کا ”رائی“ اور ”نگہبان“ ہے۔ اور اس سے سوال ہو گا کہ تم نے ان کی کیسی نگہبانی کی ”امیر“ کے بدلے میں اسلام کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ اہلکات کا تاج سر پر لگا کر لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ جائے، بلکہ امیر کا تصور یہ ہے کہ وہ رائی ہے۔ اسی واسطے حضرت فدوق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتابھی بھوکا مر جائے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے سوال ہو گا کہ اے عمر! تیری حکومت میں ایک کتابھی بھوکا مر گیا۔

”خلافت“ ذمہ داری کا ایک بوجھ

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت فدوق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت سے پہلے زخمی ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے کسی کو نامزد کر دیں۔ اور اس وقت لوگوں نے آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا کہ ان کو خلافت کے لئے نامزد فرمادیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بلا شبہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کے علم فضل، تقویٰ، اخلاص کسی چیز میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ جب لوگوں نے حضرت فدوق اعظم کے سامنے ان کے بیٹے کا نام لیا تو حضرت فدوق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: تم میرے بعد ایسے شخص کو مجھ سے خلیفہ نامزد کرانا چاہتے ہو جس کو اپنی بیوی کو طلاق دینا بھی نہیں آتا۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ اپنی اہلیہ کو ایسی حالت میں طلاق دے دی تھی، جب ان کی اہلیہ ماہواری کی حالت میں تھیں، اور ماہواری کی حالت میں طلاق دینا ناجائز ہے۔ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ اس لئے طلاق دے دی۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طلاق سے رجوع کر لو۔ چنانچہ انہوں نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔ اس واقعہ کی طرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ تم مجھ سے ایسے شخص کو خلیفہ بنوانا چاہتے ہو۔ جسے اپنی بیوی کو طلاق دینی بھی نہیں آتی۔ میں اس کو کیسے خلیفہ بنا دوں؟

لوگوں نے پھر اصرار کیا اور کہا حضرت! وہ قصہ آیا گیا ہو گیا۔ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایسا کر لیا تھا۔ اس واقعہ کی وجہ سے وہ خلافت کی اہلیت سے تو نہیں نکلے، بلکہ وہ اس کے اہل ہیں، آپ ان کو بنا دیں۔ اس کے جواب میں جو جملہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ خلافت کا پختہ خطاب کی اولاد میں سے ایک ہی شخص کے گلے میں پڑ گیا تو کافی ہے۔ اب میں اپنے خانہ ان میں سے کسی اور فرد کے گلے میں یہ پختہ

ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس لئے یہ اہلّت اور خلافت در حقیقت ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر حساب کتاب دوں۔ تو اگر برابر برابر بھی چھوٹ جاؤں تو بہت غنیمت سمجھوں گا۔

یہ ہے امیر کا تصور، اور اس کے راعی ہونے کا تصور، کہ اس نے اس اہلّت کے حق کو کیسے ادا کیا۔ آگے فرمایا کہ:

مرد، بیوی بچوں کا نگہبان ہے

والرجل سراع علی اہل بیتہ

یعنی مرد اپنے گھر والوں کا راعی اور نگہبان ہے۔ گھر والوں میں بیوی اور بچے جو اس کے ماتحت ہیں جس فیملی کا وہ سربراہ ہے، وہ سب آگئے۔ ہر مرد سے اس کے بارے میں سوال ہو گا کہ اس گھرانے کو تسلسلے زیر انتظام دیا گیا تھا۔ بیوی بچے تھے۔ ان کے

ساتھ تمہارا کس طرح معاملہ رہا؟۔ اور ان کی کیسی نگہبانی کی؟ ان کے حقوق کیسے ادا کئے؟ اور کیا تم نے اس بات کی نگہبانی کی کہ وہ دین پر چل رہے ہیں یا نہیں؟ کہیں وہ جہنم کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں؟ یہ کام تم نے کیا یا نہیں؟ اس کام کا خیل تمہارے دل میں آیا یا نہیں؟ قیامت کے روز مرد سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال ہو گا، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(سورۃ التحريم: ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، ایسا کرنا درست نہیں کہ خود تو آگ سے بچ کر بیٹھ گئے، خود تو نماز بھی پڑھ رہے ہیں، اور روزہ بھی رکھ رہے ہیں۔ فرائض واجبات اور نوافل وسبحات، سب ادا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اولاد غلط راستے پر جا رہی ہے، اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس کا کوئی خیال نہیں، تو پھر یاد رکھو قیامت کے روز تم سوال سے بچ نہیں سکو گے تم سے بھی سوال ہو گا، اور اس کا عذاب بھی ہو گا کہ تم نے اپنا فریضہ کیوں انجام نہیں دیا تھا؟ اس لئے فرمایا کہ مرد اپنے گھر والوں کے لئے ”راعی“ ہے۔ آگے فرمایا:

”عورت“ شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ نَوَاجِبِهَا وَوَلَدِهَا

اور عورت اپنے شوہر کے گھر پر اور اس کی اولاد پر نگہبان ہے، گویا عورت کو دو چیزیں سپرد کی گئی ہیں: ایک شوہر کا گھر، دوسرے اس کی اولاد، یعنی گھر کی حفاظت کرے۔ گھر کا انتظام صحیح رکھے۔ گھر کے معاملات کی دیکھ بھال صحیح کرے، اور دوسرے اولاد کی دیکھ بھال صحیح کرے۔ دینی دیکھ بھال بھی، اور دینی دیکھ بھال بھی، یہ عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ اور اس حدیث میں ہر ایک فرائض بیان کر دیئے گئے ہیں۔

خواتین حضرت فاطمہ کی سنت اختیار کریں

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جنت کی خواتین کی سردار۔ نکاح کے بعد

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئیں، تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے آپس میں یہ بات طے کر لیا کہ حضرت علی گھر کے باہر کے کام کریں گے، اور حضرت فاطمہ گھر کے اندر کے کام کریں گی، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی محنت سے گھر کے کام انجام دیتی تھیں۔ اور بڑے شوق و ذوق سے کرتی تھیں، اور اپنے شوہر کی خدمت کرتی تھیں۔ لیکن محنت کا کام بہت زیادہ ہوتا تھا۔ وہ زمانہ آجکل کے زمانے کی طرح تو تھا نہیں آجکل تو بجلی کا سوچ آن کر دیا۔ اور کھانا تیار ہو گیا۔ بلکہ کھانا تیار کرنے کے لئے چکی کے ذریعہ آٹا پیستیں، سمودر کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لاتیں۔ اور سمودر سلگاتیں۔ اور پھر روٹی پکاتیں۔ ایک لمبا چوڑا عمل تھا، جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑے شوق و ذوق سے یہ مشقت اٹھاتیں تھیں۔ لیکن جب غزوہ خیبر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مل غنیمت آیا، اس مل غنیمت میں غلام اور باندیاں بھی تھیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں ان کو تقسیم کرنا شروع کیا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے کہا کہ آپ بھی جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں کہ ایک کنیز اور باندی آپ کو بھی دے دیں۔

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حاضر ہوئیں۔ اور ان سے کہا کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ چکی پیٹے پیٹے میرے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے ہیں، اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں۔ اس وقت چونکہ مل غنیمت میں اتنے سارے غلام اور باندیاں آئی ہیں، کوئی غلام یا باندی اگر مجھے مل تو جائے تو میں اس مشقت سے نجات پاؤں، یہ کہہ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس اپنے گھر آ گئیں۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ تشریف لائیں تھیں۔ اور یہ فرما رہی تھی، آخر باپ تھے، اور جب ایک باپ کے سامنے جیتی بیٹی یہ جملہ کہے کہ چکی پیٹے پیٹے میرے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے ہیں۔ اور پانی کی مشک اٹھانے سے سینے پر نیل کے نشان آ گئے ہیں۔ آپ

اندازہ لگائیں کہ اس وقت باپ کے جذبات کا کیا عالم ہو گا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر بلایا، اور فرمایا: فاطمہ! تم نے مجھ سے باندی یا غلام کی درخواست کی ہے۔ لیکن جب تک سارے اہل مدینہ کو غلام اور باندی میسر نہ آجائیں، اس وقت تک میں محمد کی بیٹی کو غلام اور باندی دینا پسند نہیں کرتا۔

خواتین کے لئے نسخہ کیمیا ”تبیح فاطمی“

البتہ میں تمہیں ایک ایسا نسخہ بتاتا ہوں جو تمہارے لئے غلام اور باندی سے بہتر ہو گا، وہ نسخہ یہ ہے کہ جب تم رات کے وقت بستر پر لیٹے لگو تو اس وقت ۳۳ مرتبہ ”سبحان اللہ“ ۳۳ مرتبہ ”الحمد للہ“ اور ۳۳ مرتبہ ”اللہ اکبر“ پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے غلام اور باندی سے زیادہ بہتر ہو گا۔ بیٹی بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی۔ پلٹ کر کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسی پر مطمئن ہو گئیں۔ اور واپس تشریف لے گئیں۔ اسی وجہ سے اس تبیح کو ”تبیح فاطمی“ کیا جاتا ہے۔ (جامع الاصول ج ۶ ص ۱۰۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو ”خواتین کے لئے ایک مثل بتا دیا کہ

بیوی ایسی ہو قانونی اعتبار سے خواہ کچھ بھی حق ہو۔ لیکن سنت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی نمکدان ہے۔ اور اس نمکدان ہونے کی وجہ سے وہ اس کے کاموں کو اپنا کام سمجھ کر انجام دے رہی ہے۔

اولاد کی تربیت ماں کے ذمہ ہے

لہذا وہ عورت صرف گھر کی نمکدان نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اولاد کی بھی نمکدان ہے۔ اولاد کی پرورش اولاد کی خدمت اولاد کی تربیت اور اس کی تعلیم کی ذمہ داری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پر ڈالی ہے۔ اگر اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہو رہی ہے۔ ان کے اندر اسلامی آداب نہیں آرہے ہیں۔ تو اس کے بارے میں پہلے عورت سے سوال ہو گا اور بعد میں مرد سے ہو گا۔ اس لئے کہ ان چیزوں کی پہلی ذمہ داری

عورت کی ہے۔ لہذا عورت سے سوال ہو گا کہ تمہاری گود میں پلٹنے والے بچوں میں دین و ایمان کیوں پیدا نہیں ہوا؟ ان کے دلوں میں اسلامی آداب کیوں پیدا نہیں ہوئے؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کے بارے میں سوال ہو گا۔ آگے پھر دوبارہ وہی جملہ دہرا دیا کہ :

وكلكم مسئول عن رعيه

کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی زیر رعایت چیزوں کے بارے میں سوال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان فرائض کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

حج اور شربانی

جس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



مطبوعہ و ترتیب
محمد عبد اللہ رحیمین

میعن اسلامک پبلشرز

۱۰/۱۸۸۔ ریاست بہار، کراچی ۸

- خطاب : شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم
 ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
 تاریخ و وقت : ۵ جون ۱۹۹۲ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر۔
 مقام : برہمکان عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالرحی علی فی قدس اللہ سرہ
 کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

قربانی حج اور عشرہ ذی الحجہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد!

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونثق به ونحوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله مرافقه قائل عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تليما كثيرا كثيرا
اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرًا وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالْأَيْلِ إِذَا بُرْهَلَ فِي ذَلِكَ فَسَمِّ لَدَى حِجْرِ - (سورة الفجر: ۱-۵)
امت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذلك من الشاهدين والساكرين - والحمد لله رب العالمين -

یہ مقام ایک مینارہ نور تھا

آج ایک عرصہ دراز کے بعد ایک اجتماع کی صورت میں یہاں (حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس سرہ کے مکان پر) حاضری کی سعادت مل رہی ہے۔ یہاں بیٹھتے ہوئے کچھ لب کشائی، ایک صبر آزما جلدت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مقام پر ہم سب لوگ ایک مستفیض، اور سامع کی حیثیت سے آیا کرتے تھے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مقام کو ہمارے لئے ایک مینارہ نور بنایا تھا۔ جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل سے دین کے حقائق و معارف، حضرت والا قدس سرہ کے زبانی سننے اور سمجھنے کا موقع ملتا تھا۔ اس مقام پر جس ایک سامع اور مستفیض کی حیثیت سے میری حاضری ہوتی تھی۔ وہاں کسی واعظ اور مقرر کی حیثیت سے لب کشائی صبر آزما معلوم ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس سرہ ہی کا فیض ہے۔ اور جو بات دل میں آئے، یا زبان پر آئے یہ سب ان کی عنایت، شفقت کا نتیجہ ہے اور ان کا بے پایاں کرم تھا کہ ہم جیسے لوگوں کو ہماری طلب کے انتظار اور استحقاق کے بغیر بار بار وہ باتیں سنا گئے۔ اور کانوں میں ڈال گئے۔ اور دل میں بٹھائے۔ بوجہ انشاء اللہ رہتی دنیا تک محفوظ رہیں گی۔ اس لئے اپنے برادر مکرم جناب محترم بھائی حسن عباس صاحب دامت برکاتہم کے حکم کی تعمیل میں یہ صبر آزما فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ وہ ہمیشہ یہاں آکر مینے کے پہلے جمعہ میں بیان فرماتے ہیں، وہ ماشاء اللہ اس کے اہل بھی ہیں۔ بھائی حسن عباس صاحب نے فرمایا کہ ان کے حج پر جانے کی صورت میں آج تم کچھ باتیں بیان کر دو۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں یہ گزارشات پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اخلاص کے ساتھ بیان کرنے اور اخلاص کے ساتھ سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبادات میں ترتیب

ذی الحجۃ کے یہ دس دن جو نکم ذی الحجۃ سے ۱۰/ الحج تک ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ

نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے۔ بلکہ اگر نور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب و غریب ترتیب رکھی ہے۔ کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرما دیئے، اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہو گئی، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں۔ لیکن حج کے لئے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص حج کو چلا چاہے۔ تو اس کے لئے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلتا جائز ہے، اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لئے کافی وقت لگتا تھا۔ اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہنچنے میں لگ جاتے تھے۔ اس لئے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہو گئی، اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پا جاتی ہے۔ اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن "وقوف حرم" ہے (بواشاء اللہ آج ہو رہا ہو گا) ۹ ذی الحجہ کو انجام پاتا ہے۔

”قربانی“ شکر کا نذرانہ ہے

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارہمن پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ضروری دیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں۔ جس کا نام ”قربانی“ ہے۔ لہذا ۱۰-۱۱-۱۲- تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی۔ اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے۔ لیکن اس میں حکم یہ دیا کہ

عید الفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو۔ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم

چونکہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ اور عشرہ ذی الحجہ کا آغاز ہے۔ اس لئے خیال ہوا کہ کچھ باتیں اس عشرہ ذی الحجہ کے متعلق عرض کر دی جائیں۔ یہ عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا، اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہوگی، یہ سب کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اور پارہ عم میں یہ جو سورۃ فجر کی ابتدائی آیات ہیں: ”والفجر ولیل عشر“ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ فجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت

اور خود نبی کریم مرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمل کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں۔ خواہ وہ عبادت فطری نماز ہو۔ ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق، حدیث نمبر ۹۶۹) اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان ایام میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت اللہ التقدر کی عبادت کے برابر ہے۔ یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک

رات میں عبادت کی توفیق ہو گئی تو گویا اس کو یلئہ القدر میں عبادت کی توفیق ہو گئی، اس
عشرہ ذی الحجۃ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔
(سنن ترمذی، کتب الصوم باب ما جاء فی العمل فی ایام العشر، حدیث نمبر ۷۵۸)

ان ایام کی دو خاص عبادتیں

اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے
دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتیں۔ ان کی انجام دی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی
زمانے کو منتخب فرمایا ہے۔ مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام
میں انجام نہیں دی جاسکتی۔ دوسری عبادتوں کا یہ حل ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ
جب چاہے نفلی عبادت کر سکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے۔ لیکن ان کے علاوہ
جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رمضان میں روزہ فرض ہے۔ لیکن نفلی روزہ
جب چاہے رکھیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا
کر دے۔ لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمادیا ہے۔
ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی
نہیں شمار ہوگی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے۔ حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جا کر
ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا۔ حمرات کی رمی کرنا وغیرہ ارکان و اعمال ایسے ہیں کہ اگر
انہی ایام میں انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس
دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ حمرات سال بھر کے بدھ مہینے تک مٹی میں کھڑے
ہیں۔ لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جا کر ان کو کنکریاں مار دے تو یہ کوئی عبادت
نہیں۔ تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرمادیا کہ اگر بیت
اللہ کا حج ان ایام میں انجام دو گئے تو عبادت ہوگی۔ اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے۔ قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن
یعنی دس گیارہ اور بدھ تدریخ مقرر فرمادیئے ہیں۔ ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی
کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کر
کے اس کا گوشت صدقہ کر سکتا ہے، لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین دنوں کے سوا کسی

اور دن میں انجام نہیں پا سکتی۔ لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ نکاحا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں، ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ لیکن کچھ اور اہم عمل خاص طور پر ان ایام میں مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ ایک عجیب و غریب حکم ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس واسطے سے منسلک و مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کر لے۔ (ابن ماجہ کتاب النہای، باب من اراد ان یحییٰ فلا یأخذ فی العسر من شعره وخطارہ۔ حدیث نمبر ۳۱۸۷)

ان کے ساتھ تھوڑی سے شبابت اختیار کر لو

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمد للہ اس وقت اس عبادت سے سرانموز ہو رہی ہے۔ اس وقت وہاں یہ حال ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا متناہس لگا ہوا ہے۔ جو چاروں طرف سے فرزندائے توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے ہر لمحے ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہنچ رہے ہیں۔ اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے۔ اس سعادت کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف

جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پان لڑ جائیں۔ اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیوں عائد کر دیں۔ مثلاً یہ کہ سہا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے۔ خوشبو نہیں لگا سکتے۔ منہ نہیں ڈھانپ سکتے۔ وغیرہ ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں۔ درج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمائے اور ان کی رحمت کا مورد بنانے کے لئے یہ فرمادیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کر لو۔ تھوڑی سی ان کی شباهت اپنے اندر پیدا کر لو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔ جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو، یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباهت پیدا کر دی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہائیں ڈھونڈتی ہے

اور ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کر لو۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرماتا منظور ہے۔ اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرماتا چاہتے ہیں۔ تاکہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں، اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسا دے، تو یہ شباهت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور حضرت مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ

تیرے محبوب کی یارب شباهت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت میں تبدیل فرما دے۔ اور اس رحمت کی جو گھنٹائیں وہاں برسیں گی انشاء اللہ ہم اور آپ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ اس بناء پر محروم فرمادیں گے کہ ایک شخص کہ پاس جانے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرما دیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس واسطے وہ نہیں جاسکا؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرماتا چاہتے ہیں۔ البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی سے فکر اور توجہ کر لو کہ میں تھوڑی سے شبہات پیدا کر رہا ہوں، اور اپنی صورت تھوڑی سی اس جیسی بنا رہا ہوں۔ تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرمادیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یوم عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں ایک عمل اور عبادت کر سکتا ہے وہ ضرور کرے۔ اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقف عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

(ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عرفہ، حدیث نمبر ۱۷۳۳)

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ بعض لوگ جو دین کا کما حقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہو گئے اور ایک سال

آئندہ کے گناہ معاف ہو گئے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کر ہی دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرما دیئے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لئے چھٹی ہو گئی۔ جو چاہیں، کریں سب گناہ معاف ہیں، خوب سمجھ لیجئے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں، مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے، اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں، اور جن تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کر لے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دیا گیا ہے۔ کسی کا حق مل لیا ہے کسی کی حق تلفی کر لی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کر دے یا اس سے معاف نہ کرا لے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں۔

تکبیر تشریق

ان ایام میں تیسرا عمل تکبیر تشریق ہے۔ جو عرفہ کے دن کی نماز فجر سے شروع ہو کر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے۔ لویہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ وہ تکبیر یہ ہے: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ اکبر واللہ الحمد ”مردوں کے لئے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔

اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳ ص ۱۷۱، شامی ج ۲ ص ۱۷۸)

گنگا الٹی بنے لگی ہے

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی الٹی گنگا بنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کھوان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں مثلاً دعا کرنا ہے قرآن کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ:

أَذْعُوَارَ بَكَوْثُمْ تَعْرَعَا وَخُفِيَّةَ

(سورۃ الاعراف: ۵۵)

یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکرو اور آہستہ دعا کرو چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعا کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعا کرنا افضل ہے (البتہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے۔ اس کو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کر لیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کو مثلاً تکبیر تشریق۔ جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہئے، لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی اور آہستہ سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

شوکت اسلام کا مظاہرہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیر تشریق رکھی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس سے شوکت اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام پھرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے، لہذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے جارا ہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں۔ البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔

عکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے۔

یہ عکبیر تشریق خواتین کے لئے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ اور خواتین کو یہ عکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور جب سلام کے بعد عکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آجاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں۔ لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے، اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتی۔ اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم طرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ عکبیر کہیں۔ البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہیئے اور لہذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہئے۔ اور خواتین کو یہ مسئلہ جانا چاہئے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ اس لئے میں یہ لکھ رہا ہوں کہ خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں۔ وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں۔ تاکہ ان کو یہ عکبیر یاد آجائے۔ اور سلام کے بعد کہہ لیں

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۰ شانی ج ۲ ص ۱۷۹)

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہو سکتی

اور پھر چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایام ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے وہ قربانی کا عمل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جاسکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جاسکتا ہے ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہئے کہتے جانور ذبح کر لے لیکن قربانی نہیں ہو سکتی۔

دین کے حقیقت حکم کی اتباع

لہذا حج اور قربانی جو ان ایام کے بڑے اعمال ہیں۔ ان کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی منہ کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کس عمل میں، نہ کس وقت میں، ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کسے کی وجہ سے آتی ہے، اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو۔ تو وہ اجر و ثواب کا کام بن جائے گا۔ اور اگر ہم اس کام سے روک دیں تو پھر اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔ ”میدان عرفہ“ کو لے لیجئے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹ دن وہاں گزار دیں، ذرہ برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالانکہ وہی میدان عرفات ہے۔ وہی جبل رحمت ہے، اس واسطے کہ ہم نے نام دونوں میں وہاں وقوف کرنے کے لئے نہیں کہا، جب ہم نے کہا کہ نوذی الحجہ کو آؤ، ثواب نوذی الحجہ کو آتا تو عبادت ہو گی۔ اور ہماری طرف سے اجر و ثواب کے مستحق ہو گے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدان عرفات میں کچھ رکھا ہے۔ اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے، لیکن جب ہم کہہ دیں تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جگہ میں بھی اور وقت میں فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب مسجد حرام سے کوچ کر جائیں

آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے، اور حج کے لئے جانے والے حضرات ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسجد حرام کو چھوڑو، اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو اب تک مل رہا تھا۔ اس کو ترک کریں اور اب منیٰ میں جا کر پڑھاؤ، چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منیٰ میں گزارنے کا حکم دے دیا گیا۔ اور ذرا یہ دیکھئے کہ اس وقت میں حاجی کا منیٰ کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں، نہ اس میں جہرات کی رمی ہے۔ اور نہ اس میں وقوف ہے، اور نہ کوئی اور عمل ہے۔ بس صرف یہ ہے کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو، اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب

چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو، اس حکم کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے اب جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ جنگل میں جا کر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجد حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہو گا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منی میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے۔ چلو کہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجد حرام میں پڑھ لوں تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کہا، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا۔ اور حج کے مناسک میں کمی کر دی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا

حج کی عبادت میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے ان باتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسالیتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر و ثواب ہے۔ اور حسب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو کہ اس وقت نہ کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ایک پتھر منی میں کھڑا ہے، اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مارتے ہیں، کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جا رہے ہیں، اس پتھر نے کیا تصور کیا ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو اس کے بعد اس میں حکمت، مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں ہے بس اب اس پر عمل ہی میں اجر و ثواب ہے۔ اس دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جا رہا ہے کہ تم نے اپنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بٹھا رکھی ہیں اور سینے میں جو بات بٹھا رکھی ہیں ان کو توڑو، اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے

میں چیز قربانی میں ہے، قربانی کی عبادت کا سدا فلسفہ یہی ہے۔ اس لئے کہ قربانی کے معنی ہیں ”اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز“ اور یہ لفظ ”قربانی“ ”قربان“ سے نکلا ہے، اور لفظ ”قربان“ ”قرب“ سے نکلا ہے۔ تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس قربانی کے سداے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا بھجورین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد عقلی کھوڑے دوڑانے کا موقع ہے، نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں و چرا کرنے کا موقع ہے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکا دے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آگیا کہ بیٹے کو ذبح کر دو۔ اور وہ حکم بھی خواب کے ذریعہ سے آیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعہ حکم نازل فرما دیتے کہ اپنی بیٹے کو ذبح کرو، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ خواب میں آپ کو یہ دکھایا گیا اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے۔ اس پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت میں ایک امتحان تھا کہ چونکہ جب انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں؟ اس لئے آپ کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا۔ اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو باپ نے پلٹ کر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جلد باپ؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، عقل کی کسی میزان پر اس حکم کو اتار کر دیکھے تو کسی میزان پر یہ پورا اترا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مصلحت نہیں پوچھی، البتہ بیٹے سے امتحان اور

آزمائش کرنے کے لئے سوال کیا کہ:

”يَا بَعَثَ ابْنِيَ آمَرِي فِي الْقَتَا هِ ابْنِي اَذْبَحْكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا اتَرَى“

(سورہ نسا فات ۱۰۲)

اے بیٹے میں نے تو خواب میں یہ دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ ان کی رائے اس لئے نہیں پوچھی کہ اگر ان کی رائے نہیں ہوگی تو ذبح نہیں کروں گا۔ بلکہ ان کی رائے اس لئے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جن کے صلب سے سید الاولین و الاخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ میرا تصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ:

”يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ“

ابا جان آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اس کو کر گزریے، اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ و بکا نہیں کروں گا۔ میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں۔ اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا۔ آپ کر گزریے۔

چلتی چھری رُک نہ جائے

جب باپ بھی ایسا اولو العزم اور بیٹا بھی اولو العزم، دونوں اس حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں۔ اس لئے کہ اگر سید حالائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی۔ جس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آجائے۔ اور آپ چھری نہ چلائیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآن کریم میں بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

فَلَمَّا أَتَلَعَا وُتِلَتْهُمَا لِلْبَصِیْنِ

(سورۃ السقات: ۱۰۳)

قرآن کریم نے بڑا عجیب و غریب لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا ”فَلَمَّا أَتَلَعَا“ یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے۔ اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے۔ اس لئے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آجائے۔ اور اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں۔ اور وہ حکم عقل کے خلاف ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ اور اس کی وجہ سے جان و مال اور عزت اور آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔ یہ ہے حقیقت میں اسلام۔ اس لئے فرمایا کہ جب دونوں اسلام لے آئے۔ اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے۔ اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اور قرآن کریم نے لٹانے کے اس وصف کو خاص زور دیکر بیان کیا ہے اور اس طرح اس لئے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی وجہ سے کیس چلتی ہوئی چھری رک نہ جائے اس لئے پیشانی کے بل لٹایا۔

روایتوں میں یہ آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: ابا جان! آپ مجھے ذبح تو کر رہے ہیں، ایک کام یہ کر لیجئے کہ میرے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیجئے اس لئے کہ جب میں ذبح ہوں گا تو فطری طور پر تڑپوں گا۔ اور تڑپنے کے نتیجے میں وہ سکتا ہے کہ خون کے چھینٹے دور تک جائیں اور اس کی وجہ سے میرے کپڑے جگہ جگہ سے خون میں لت پت ہو جائیں۔ اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی تو ان کو بہت ملال ہو گا۔ اس لئے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں۔

قدرت کا تماشا دیکھیے

پھر کیا ہوا؟ جب ان دونوں نے اپنے حصے کا کام پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندوں نے اپنے حصے کا کام کر لیا۔ تو اب مجھے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

وَنَادَيْنَاهُ أَنِ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا

(سورۃ الصافات: ۱۰۳، ۱۰۵)

اے ابراہیم! تم نے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہماری قدرت کا تماشا دیکھو۔ چنانچہ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ اور وہاں ایک دباؤ کیا ہوا پڑا ہے۔

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے

یہ پورا واقعہ جو درحقیقت قربانی کے عمل کی بنیاد ہے۔ روزِ اول سے یہ بتا رہا ہے کہ قربانی اس لئے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس، یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین درحقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آجائے تو پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں۔ حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی

آج ہمارے معاشرے میں جو گرائی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اس کا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے گا تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟ کیا اس کا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے اسکو جلدی کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

”وَدَعَوْنَاهُ عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ“

(سورۃ الصافات: ۱۰۸)

یعنی ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس عمل کی نقل اتارنے کا پابند کر دیا۔ یہ جو ہم قربانی کرنے جا رہے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام

کی اس عظیم الشان قربانی کی نقل اتارنی ہے۔ اور نقل اتارنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم آگے انہوں نے سر تسلیم خم کیا، انہوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی۔ اور کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اب ہمیں بھی اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے اور قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا منظور ہے۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟

جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی، آج اسی کے بالکل برعکس کئے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خواہ مخواہ رکھ دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں ٹائیوں میں بہہ جاتا ہے، اور معاشی اعتبار سے نقصان دو ہے، کتنے جانور کم ہو جاتے ہیں، اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ، لہذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہیے کہ وہ اوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے ہلکا رہے ہیں تو قربانی کر کے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جا رہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا۔ جو یہ باتیں کہتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو۔ جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں کا حرج ہے؟

قربانی کی اصل روح

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور ایک محل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز پڑھوں، اور اس کے بجائے غریب کی مدد کروں۔ تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا، غریب کی مدد کرنے کا اجر و ثواب اپنی جگہ ہے، لیکن جو دوسرے فرائض ہیں، وہ اپنی جگہ فرض و واجب ہیں، اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے، اور یہ معاشی بد حالی کا سبب ہے، اور معاشی اعتبار

سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ درحقیقت قربانی کے سلسلے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے۔ ارے بھائی، قربانی تو شروع ہی اس لئے مگنی ہے کہ یہ کام تہلاری عقل اور سمجھ میں آ رہا ہو، یا نہ آ رہا ہو پھر بھی یہ کام کرو، اس لئے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم جو کہیں، اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ یہ قربانی کی اصل روح ہے، یاد رکھو، جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہو جاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا، جتنی بد عنوانیاں، جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ درحقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

اور عبادت کے اندر یہ ہے کہ وہ نقلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں۔ لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھا دیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کرو گے تو کوئی عبادت نہیں۔ کیوں؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سلسلے دین کی صحیح فہم حاصل ہو جائے۔ دین کا سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے، جس چیز میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم آگیا، وہ مانو اور اس پر عمل کرو، اور جہاں حکم نہیں آیا، اس میں کچھ نہیں ہے۔

سنت اور بدعت میں فرق

بدعت اور سنت کے درمیان بھی یہی امتیاز اور فرق ہے کہ سنت باعث اجر و ثواب ہے اور بدعت کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ہم نے تیجہ کر لیا، دسواں کر لیا، چالیسوں کر لیا تو ہم نے کونسا گناہ کا کام کر لیا؟ بلکہ یہ ہوا کہ لوگ جمع ہوئے انہوں نے قرآن شریف پڑھا، اور قرآن شریف پڑھنا تو بڑی عبادت کی بات ہے اور اس میں کیا خرابی کی بات ہوئی؟ ارے بھائی! اس میں خرابی

یہ ہوئی کہ قرآن شریف اپنی طرف سے پڑھا، اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں پڑھا۔ قرآن شریف پڑھنا اس وقت باعث اجر و ثواب ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب کی تین رکعت پڑھنا فرض ہے، اب ایک شخص کہے کہ ”عاز اللہ“ یہ تین کا عدد کچھ بے تکا سا ہے۔ چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں؟ اب وہ شخص تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھتا ہے۔ بتائیے۔ اس نے کیا گناہ کیا؟ کیا اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کر لی؟ یا ڈاکہ ڈالا، یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لیا؟ صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی، جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا۔ ایک رکوع زیادہ کیا، اور دو سجدے زیادہ کئے، اور اللہ کا نام لیا۔ اب اس میں اس نے کیا گناہ کر لیا؟ لیکن ہو گا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی۔ نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر و ثواب کا، جب نہیں ہوگی۔ بلکہ ان پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی۔ اور ان کو بھی خراب کر دے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے، سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے وہ سنت ہے اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے، اور دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ، کوئی اجر و ثواب نہیں۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ کے پاس ایک بزرگ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”دعائو“ شریف لایا کرتے تھے تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے اور بڑے عیب و غریب بزرگ تھے۔ ایک دن انہوں نے والد صاحب سے عیب خواب بیان کیا اور خواب میں میرے والد ماجد دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے

پاس کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں حضرت والد صاحبؒ نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کاہندہ (۱) بنایا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے اس کے بعد آپ نے اس ایک کے ہندسے کے دائیں طرف (۱۰) ایک نقطہ بنایا، لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہو گیا۔ اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا۔ اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہو گیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار ۱۰۰۰ ہو گیا۔ پھر فرمایا میں جتنے نقطے لگاتا جا رہا ہوں یہ دس گنا بڑھتا جا رہا ہے۔ پھر انہوں نے وہ سارے نقطے منا دیئے۔ اور اب دوبارہ وہی نقطہ اس ایک ہندسے کے بائیں طرف (۰۱) لگایا۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ اعشاریہ ایک ہو گیا۔ یعنی ایک کا دسواں حصہ، اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا۔ (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہو گیا، یعنی ایک کا سوواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہو گیا (۰۰۰۱) لوگوں نے بتایا کہ اب اعشاریہ صفر صفر ایک، یعنی ایک ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کر رہے ہیں پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سنت ہیں اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں، دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں، لیکن جب دائیں طرف لگایا جا رہا ہے تو سنت ہے اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے۔ اور جو بائیں طرف لگائے جا رہے ہیں تو وہ اجر و ثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ اس کو گھٹا رہے ہیں، اور انسان کے عمل کو ضائع کر رہے ہیں، بس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

بھائی! دینِ سدا کا سدا اتباع کا نام ہے جس وقت ہم نے جو کام کہہ دیا، اس وقت اگر کرو گے تو باعثِ اجر ہو گا اور اگر اس سے ہٹ کر اپنے دماغ سے سوچ کر کرو گے تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نماز تہجد پڑھنا

ہمارے حضرت والارحمة اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی۔ مشہور واقعہ ہے، آپ حضرات نے سنا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہ کرام کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بست آہستہ آہستہ آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت فذوق اعظم رضی اللہ عنہ بست زور زور سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اس کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بست آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، اتنی آہستہ آواز میں کیوں کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ یا رسول اللہ!

اسمعت من ناجیت

میں جس سے مناجات کر رہا تھا۔ اس کو سنا دیا، اس لئے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں، جس ذات کو سننا مقصود تھا اس نے سن لیا، اس کے لئے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اسکے بعد آپ نے حضرت فذوق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

اوقظ الاسنان واطرد الشيطان

میں اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا، تاکہ جو سونے والے ہیں انکو جگاؤں اور شیطان کو بھاگائوں۔ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”ارفع قليلاً“ تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو۔ اور حضرت فذوق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ”اخفض قليلاً“ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کر دو۔

(ابوداؤد، کتب الصلاة، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

اعتدال مطلوب ہے

بہر حال! یہ مشہور واقعہ ہے جو احادیث میں منقول ہے۔ اور اس کی تشریح میں

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعتدال کی تعلیم دی کہ نہ بست زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بست زیادہ پست آواز سے پڑھو، اور یہ قرآن کریم کے ارشاد کے بھی مطابق ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے کہ ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَاتَّبِعْ هَذِهِ سَبِيلًا“ کہ نماز میں نہ بست زیادہ زور سے پڑھو نہ بست زیادہ آہستہ پڑھو بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ پڑھو۔

اپنی تجویز فٹا کر دو

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی ایک عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں جس کو سنار ہا ہوں۔ اس نے سن لیا۔ زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو یہ بات غلط نہیں تھی۔ اور حضرت فلدوق اعظم رضی اللہ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے۔ اس لئے نماز میں اگر ان کی آواز بلند ہو گئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے، اور اب ہمارے کہنے کے مطابق پڑھو، اور اب ہماری تجویز کے مطابق پڑھو۔ تو پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے۔ وہ چونکہ اپنی تجویز اور اپنی مرضی کے مطابق تھا۔ اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی، اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے۔

یہ ہے سادے دین کا خلاصہ، کہ اپنی تجویز کو دخل نہ ہو۔ جو کوئی عمل ہو، وہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو ساری بدعتوں کی جڑ کاٹ جائے۔ اور اسی حقیقت کو سکھانے

کے لئے قربانی شروع کی گئی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی درحقیقت یہ سبق سکھاتی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہونی چاہئے، اور پوری زندگی اتباع کا نمونہ چاہئے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا چاہئے۔ بس! اس قربانی کا سدا فلسفہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فلسفے کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کی برکات عطا فرمائے۔ آمین۔

قربانی کی فضیلت

حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے۔ اس قربانی کے نتیجے میں یہ ہو گا اس جانور کے جسم پر جتنے بل ہیں، ایک ایک بل کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جتنا زیادہ قربانی کرے گا۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو گا۔ اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرنا، اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتا ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آ رہی ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے دل کا فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان ہو رہا ہے، صرف میرے حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ

بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک قلعہ تھا کہ جب کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہو تو کوئی بد یا تحفہ بطور نذرانہ ساتھ لے جاتے، اور حقیقت اس بادشاہ کو تمہارے نذرانے کی ضرورت نہیں لیکن اس نذرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ اس

نذرانے کو قبول کر لے گا۔ تو اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں اور کچھ حاصل ہو گا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے قریب ایک گاؤں تھا اس گاؤں میں ایک دیہاتی رہتا تھا۔ اس دیہاتی نے ارادہ کیا کہ میں بغداد جا کر بادشاہ اور امیر المومنین سے ملاقات کروں اور وہ آج کل کے بادشاہ کی طرح نہیں ہوتے تھے کہ چھوٹی سی ریاست لے کر بیٹھ گئے، اور بادشاہ بن گئے بلکہ اس وقت بغداد کے خلیفہ کی آدمی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی۔ سر حال! جاتے وقت اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کے دربار میں جلد باہوں تو ان کے لئے کوئی تحفہ اور نذرانہ بھی لے کر جانا چاہئے۔ اب کیا تحفہ لے کر جاؤں؟ جو بادشاہ کے لائق ہو، اور بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے؟ وہ چھوٹے سے گلوں میں رہنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ دنیا کی خبر بھی نہیں تھی، اس لئے بیوی نے مشورہ دیا کہ ہلے گھر کے منگے میں جو پانی ہے وہ سر کاٹھنڈا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے۔ ایسا پانی بادشاہ کو کہیں میسر آتا ہو گا۔ لہذا یہ پانی لے جاؤ۔ اس دیہاتی کی عقل میں بیوی کی بات آگئی، اور اب اس نے وہ پانی کا گڈا سر پر اٹھایا، اور بغداد کی طرف چل دیا۔ آج کی طرح ہوائی جہاز یا ریل کا سفر تو تھا نہیں، پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ وہ دیہاتی پیدل ہی روانہ ہوا، اب راستے میں ہوا چل رہی ہے مٹی اڑا کر منگے کے اوپر جم رہی ہے اور بغداد پہنچتے پہنچتے مٹی کی = جم گئی، جب بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ حضور! میں آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟ اس دیہاتی نے وہ منگاپیش کر دیا۔ اور کہا کہ یہ میرے گلوں کے کنویں کا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، میں نے یہ سوچا کہ اتنا اچھا پانی آپ کو کہا میسر آتا ہو گا اس لئے میں یہ آپ کے لئے لایا ہوں، یہ آپ کے لئے نذرانہ ہے، آپ قبول فرمائیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس منگے کا ڈھکن کھول، جب اس نے دیہاتی نے ڈھکن کھولا تو پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی، اس لئے کہ اس کو بند کئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس کے اوپر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، بادشاہ نے یہ سوچا کہ یہ بیچارہ ایک دیہاتی آدمی ہے اور اپنی سوچ اور اپنی سمجھ کے مطابق ہدیہ پیش کر کے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہا ہے اس لئے اس کا دل نہیں توڑنا چاہئے چنانچہ اس گھرے کو بند کر دیا۔ اور اس

دیسلتی سے کہا کہ تم بادشاہ اللہ بہت اچھا تختہ لائے ہو۔ واقعی ایسا پانی مجھے کہاں میسر آ سکتا ہے اس پانی کی بڑی تعریف کی، اور پھر حکم جاری کر دیا کہ اس کے عوض اس کو ایک گھڑا اشرافیوں سے بھر کر دے دو۔ چنانچہ وہ دیسلتی بہت خوش ہوا کہ میرا تختہ بادشاہ کے دربار میں قبول ہو گیا۔ اور اشرافیوں کا بھرا ہوا ایک گھڑا مل گیا، جب وہ دیسلتی واپس جانے لگا تو بادشاہ نے اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کو دریائے دجلہ کے کنارے سے واپس لیجاتا۔

اب وہ دیسلتی بڑا خوش خوش واپس چل رہا تھا۔ بادشاہ کا نوکر اس کے ساتھ تھا۔ جب دریائے دجلہ راستے میں آیا تو اس دیسلتی نے دجلہ کو دیکھ کر نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ نوکر نے کہا کہ یہ دریا ہے، اور اس کا پانی پی کر دیکھو اب جب اس دیسلتی نے دجلہ کا پانی پیا تو دیکھا کہ وہ توانائی صاف شفاف اور شفا پانی ہے، اب اس دیسلتی کو خیل آیا کہ یا اللہ! میں بادشاہ کے لئے کس قسم کا پانی لے گیا تھا۔ اس کے محل کے اندر تو کتنے صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کا پانی بھر رہا ہے۔ اس کو تو پانی کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس نے تو بڑی کرم نوازی کی کہ میرے خاطر اس گھڑے کو قبول کر لیا۔ ورنہ میں تو اس لائق تھا کہ اس ہدیہ دینے پر مجھے سزا دی جاتی کہ تو ایسا سزا ہوا گندہ پانی لے کر آیا ہے۔ لیکن اس بادشاہ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے سزا نہیں دی، بلکہ میرے گھڑے کو قبول بھی کر لیا اور اس کے بدلے میں مجھے ایک اشرافیوں سے بھرا ہوا گھڑا دے دیا۔

ہماری عبادات کی حقیقت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جو عبادتیں کرتے ہیں اس وہ پانی کے گھڑے کی طرح ہیں جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے۔ گرد و غبار اور مٹی سے اٹا ہوا ہے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہ عبادتیں ہمارے منہ پر لاد دی جائیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بجائے لوٹانے کے اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس پر اور زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے جو اس سے زیادہ کا قصہ بھی نہیں کر سکتا، اور اس سے زیادہ بہتر عبادت انجام نہیں دے سکتا، چونکہ اخلاص

کے ساتھ لایا ہے۔ اس لئے اس کی عبادت قبول کر اور چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت قبول فرما لیتے ہیں، مولانا دی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثل دی ہے وہ ہماری تمام عبادات اور اطاعت پر پوری طرح صواب آتی ہے کہ ہماری عبادات درحقیقت میراثی کے پانی کے ٹیکے کی طرح ہیں۔

تم اس کے زیادہ محتاج ہو

اور اگر بغرض تم بادشلہ کے دربار میں بست اچھی اور قیمتی چیز مثلاً ہیرے جواہرات بطور ہدیہ اور نذرانہ لے کر گئے تو پہلے زمانے کے بادشاہوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بادشلہ کے دربار میں اعلیٰ درجے کا تحفہ لے کر جاتا تو وہ بادشلہ اس تحفہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا تھا، اور ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت تھی کہ تمہارا ہدیہ اور تحفہ قبول ہے، اور پھر وہ تحفہ اس دینے والے کو واپس کر دیا جاتا تھا اس لئے کہ ہم سے زیادہ تم اس تحفے کے محتاج اور ضرورت مند ہو۔ لہذا تم ہی اس کو رکھ لو۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہیے

مولانا دی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ اودھر اس نے اللہ کے لئے قربانی اور نذرانہ پیش کرنا چاہئے۔ بچے بچہ کے گلے پر چھری پھیری، اودھر قربانی کی عبادت ادا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ نذرانہ قبول کر لیا۔ اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور اب وہ جانور بھی پورا کاپورا تمہارا ہے۔ اور فرما دیا کہ یہ جانور بچا کر کھاتے اس کا گوشت تمہارا ہے، اس کی کھال تمہاری ہے۔ اس جانور کی ہر چیز تمہاری ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اکرام دیکھئے کہ نذرانہ مانگا جا رہا ہے۔ لیکن جب بندہ نے خون بہا دیا، اور نذرانہ پیش کر دیا، اور ہمدے حکم کی تعمیل کر لی تو بس کافی ہے۔ ہمیں اتنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ فرمایا کہ:

لَنْ يَتَنَاَلِ اِنَّهُ لَحُوْمُهُمْ اَوْ لَادُهُمْ اَوْ مَالُهُمْ وَلَكِنْ يَتَنَاَلُ النُّفُو

ہمیں تو اس گوشت نہیں چاہئے، ہمیں اس کا خون نہیں چاہئے، ہمیں تو

تمہارے دل کا تقویٰ چاہئے، جب تم نے اپنے دل کے تقوے سے یہ قربانی پیش کر دی، وہ تمہارے یہاں قبول ہو گئی۔ اب اس کو تم ہی کھاؤ، چنانچہ اگر کوئی شخص قربانی کا سدا گوشت خود کھالے، اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے۔ ایک حصہ خود کھائے۔ ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم کرے، اور ایک حصہ غریاء میں خیرات کرے، لیکن اگر ایک بوٹی بھی خیرات نہ کرے۔ تب بھی قربانی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی، اس لئے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہو گئی، جس وقت جانور کے گلے پر چھری پھیر دی جب میرے بندے میرے حکم پر عمل کر لیا۔ تو بس! قربانی کی فضیلت اس کو حاصل ہو گئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟

لوگوں میں یہ بات بہت کثرت سے کہی جاتی ہے کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے سولہویں نبی کے اور قربانی کرنے والے اس کے اوپر بیٹھ کر گزریں گے، یہ ایک ضعیف اور کمزور روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ آئے ہیں:

سموا اضحایا کم فانھا علی الصراط مطایا کم

”یعنی اپنی قربانی کے جانوروں کو مونا تازہ بیٹو، کیونکہ پل صراط پر یہ تمہاری سواریاں نہیں گی“ لیکن یہ انتہاء درجے کی ضعیف حدیث ہے، اور ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا، اس لئے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہو گئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی، ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں۔ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہو جاتی ہے۔

سپر دم بتو مایہ خویش را

بہر حل: یہ سب اس لئے کرایا جلد ہا ہے، تاکہ دل میں ابتلاء کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا كَانَ يُؤْمِنُ إِلَّا قَوْمُهُ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا فَتَکُونُ لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ

(سورۃ الاحزاب: ۳۶)

جب اللہ یا اللہ کا رسول کس مومن مرد یا مومن عورت کے لئے کوئی فیصلہ کر دیں تو اس کے بعد اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہتا۔
سپر دم بتو مایہ خوش را
تو دانی حسب کم و پیش را

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کی اجر و فضیلت عطا فرمائے۔ اور اس کے اندر جتنے انوار و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب ہمیں عطا فرمائے۔ اور اپنی زندگی میں اس سبق کو یاد رکھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

سیرت النبیؐ اور ہماری زندگی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



ضبط و ترتیب
محمد عبدالغفور

مبین اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸ یاقوت پور لاہور

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
 ضبط و ترتیب: محمد عبداللہ مبین
 تاریخ و وقت: ۱۱ ستمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر
 مقام: جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
 کمپوزنگ: پرنٹ ماسٹرز

سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والے جلسوں اور محفلوں میں عین
 جلسے کے دور ان ہم ایسے کام کرتے ہیں۔ جو سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکارِ دو عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے، آپ کی تعلیمات آپ کی سنتوں
 کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان
 ہدایت کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر
 آئے تھے۔

سیرت النبیؐ اور ہماری زندگی

الحمد لله حمدًا ونستعينه ونستغفر ونؤمن به ونوكل عليه ونعوذ بالله
من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي
له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ونبينا وولانا محمدًا
عبده ورسوله صلوات الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا
أما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم لقد كَانَ لَكُمْ فِي
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا يَوْمَ الْآخِرِ، وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا -
(سورة الاحزاب ۲۱)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك
من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

آپ کا تذکرہ باعث سعادت

۱۲ ربیع الاول ہمدے معاشرے، ہمدے ملک اور خاص کر برصغیر میں باقاعدہ ایک جشن اور ایک تسولہ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو ہمدے ملک میں سیرت النبی اور میلاد النبی کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہدک تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر کوئی اور سعادت نہیں ہو سکتی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمدے معاشرے میں آپ کے مہدک تذکرہ کو اس ۱۲ ربیع الاول کے ساتھ بلکہ صرف ۱۲ ربیع الاول کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس لئے آپ کا یوم ولادت منایا جائے گا۔ اور اس میں آپ کی سیرت اور ولادت کا بیان ہو گا۔

لیکن یہ سب کچھ کرتے وقت ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جس ذات مقدس کی سیرت کا یہ بیان ہو رہا ہے، اور جس ذات مقدس کی ولادت کا یہ جشن منایا جا رہا ہے، خود اس ذات مقدس کی تعلیم یہ ہے؟ اور اس تعلیم کے اندر اس قسم کا تصور موجود ہے یا نہیں؟

تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا، تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے زیادہ پر مسرت، اس سے زیادہ مہدک اور مقدس واقعہ اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا، انسانیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصیت کی برکت نصیب ہوئیں، یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور کوئی واقعہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا، اور اگر اسلام میں کسی کی یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور ہو تا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کو منایا جائے، اور اس کو عید قرار دیا جائے، لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے، اور

ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو یوم
پیدائش نہیں منایا، بلکہ آپ کے کسی صحابی کے حشرہ خیل میں بھی یہ نہیں گزرا کہ چونکہ
۱۲ ربیع الاول آپ کی پیدائش کا دن ہے۔ اس لئے اس کو کسی خاص طریقے سے منانا
چاہئے۔

۱۲ ربیع الاول اور صحابہ کرام

اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور
تقریباً سو لاکھ صحابہ کرام کو اس دنیا میں چھوڑ گئے، وہ صحابہ کرام ایسے تھے کہ سرکارِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم ایک سنس کے بدلے اپنی پوری جان بچھور کرنے کے لئے تیار
تھے۔ آپ کے جلتاد، آپ پر فداکار، آپ کے عاشق و اہل بیت تھے۔ لیکن کوئی ایک صحابی
ایسا نہیں ملے گا جس نے اہتمام کر کے یہ دن منایا ہو، یا اس دن کوئی جلسہ منعقد کیا ہو۔
یا کوئی جلوس نکالا ہو، یا کوئی چراغیں کیا ہو، یا کوئی جھنڈیاں بھٹی ہوں، صحابہ کرام نے
ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ اسلام کوئی رسموں کا دین نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے
لہل مذہب ہیں کہ ان کے ہاں چند رسومات ادا کرنے کا نام دین ہے۔ جب وہ رسمیں ادا
کر لیں تو بس پھر چٹھی ہو گئی۔ بلکہ اسلام عمل کا دین ہے۔ اور یہ تو جہنم روگ ہے۔ یہ
پیدائش سے لے کر مرتے دم تک ہر انسان اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔ اور سرکارِ دو
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں لگا رہے۔

”کرسمس“ کی ابتدا

یوم پیدائش منانے کا یہ تصور ہمارے یہاں عیسائیوں سے آیا ہے، حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا یوم پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵ / دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ مگر خٹھا کر
دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً
تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا،
آپ کے حواریین نور صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد

کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کر دی۔ اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منائیں گے۔ اس وقت بھی جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے، بس ہم اس دن جمع ہو جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات کو یاد دلایں گے، اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گا، اس لئے ہم کوئی گناہ کا کلمہ تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

”کرسمس“ کی موجودہ صورت حال

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵/ دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا، ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کر دیتے۔ اس کے بعد اجتماع پر خواست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں۔ مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے، اس لئے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہئے، تاکہ لوگوں کے لئے دل کش ہو۔ اور اس کو دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی ہونی چاہئے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، اس لئے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہئے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس میں شامل ہو گیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ انہی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے، چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا، اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں، موسیقی اس میں، شراب نوشی اس میں، قمار بازی اور جو اس میں، گویا کہ اب دنیا بھر کی صدی خرافات کرسمس میں شامل ہو گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

پیچھے رہ گئیں۔

”کرسمس“ کا انجام

اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے۔ تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے، اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی۔ اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے حادثات نہیں ہوتے، اسی ایک دن میں عورتوں کی عصمت دری اتنی ہوتی ہے کہ پورے سال اتنی نہیں ہوتی، اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

میلاد النبی کی ابتدا

اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ اگر اسکو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہیں سے کہیں بات کو پہنچائے گا۔ اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا۔ جس طرح ”کرسمس“ کے ساتھ ہوا، اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کسی بادشاہ کے دل میں خیال آگیا کہ جب عیسیٰ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہہ کر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کر دیا، شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہوا۔ اور کچھ نفیس پڑھی گئیں۔ لیکن اب آپ دیکھ لیں کہ کہیں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔

یہ ہندوانہ جشن ہے

یہ تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود الحمد للہ وہاں تک ابھی نوبت نہیں پہنچی جس طرح عیسائیوں کے ہاں پہنچ چکی ہے۔

لیکن اب بھی دیکھ لو کہ سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے، کس طرح روضہ اقدس کی سببیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح لعبہ شریف کی سببیں کھڑی کی ہوئی ہیں۔ کس طرح لوگ اس کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں کس طرح اس کے چاروں طرف ریکارڈنگ ہو رہی ہے، کس طرح چراغیں کیا جلا رہے ہیں، اور کس طرح جھنڈیاں سجائی جا رہی ہیں، محفل اللہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا کوئی جشن نہیں ہے۔ بلکہ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کے عام جشن ہوتے ہیں اس طرح کا کوئی جشن ہے اور رفتہ رفتہ سڑی خرابیاں اس میں جمع ہو رہی ہیں۔

یہ اسلام کا طریقہ نہیں

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے، اور یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر ہو رہا ہے، اور سب کچھ یہ سوچ کر ہو رہا ہے کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاول کو چراغیں کرے، اور اپنی مدتوں کو روشن کرے، اور اپنے راستوں کو سجا کر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا، اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ دین پر عمل نہیں کرتے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو میلاد ہوتا ہے، ہمارے یہاں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش پر چراغیں ہوتا ہے، اس طرح دین کا حق ادا ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ طریقہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔ آپ کے صحابہ کرام کا طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر اس طریقے میں خیر و برکت ہوتی تو ابو بکر صدیق، فدوق اعظم، عثمان غنی، اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس سے چوکنے والے نہیں تھے۔

بنیے سے سیانا سواؤ لا

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہندی زمین کی ایک مثل اور کہلوت سنایا کرتے تھے کہ ان کے یہاں یہ کہلوت بہت مشہور ہے کہ:

(بنیے سے سیانا سو باؤلا)

یعنی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تجلوت میں بنیے سے زیادہ سیانا اور ہوشیار ہوں، اور اس سے زیادہ تجلوت جانتا ہوں، تو وہ باؤلا اور پاگل ہے اس لئے کہ حقیقت میں تجلوت کے اندر کوئی شخص بنیے سے زیادہ سیانہ نہیں ہو سکتا یہ کمالت سنانے کے بعد حضرت والد صاحب فرماتے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں صحابہ کرام سے زیادہ حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوں اور صحابہ کرام سے زیادہ محبت رکھنے والا ہوں، وہ حقیقت میں پاگل ہے، بے وقوف اور احمق ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام سے بڑا عاشق اور محب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

آپ کا مقصد بعثت کیا تھا؟

صحابہ کرام کا یہ حل تھا کہ نہ جلوس ہے، نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے نہ جھنڈی ہے، اور نہ بھلوت ہے۔ لیکن ایک چیز ہے۔ وہ یہ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ زندگیوں میں رچی ہوئی ہے۔ ان کا ہر دن سیرت طیبہ کا دن ہے۔ ان کا ہر لمحہ سیرت طیبہ کا لمحہ ہے۔ ان کا ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے، کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے خالی ہو۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ لہنا دن منوائیں اور اپنی تعریفیں کر آئیں۔ اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں، خدا نہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو جس وقت کھڑکے نے آپ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو لہنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ مل و دولت کے طلب گار ہیں تو مل و دولت کے ذخیر آپ کے قدموں میں لانے کے لئے تیار ہیں، اگر آپ حسن و جمل کے طلب گار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمل آپ کی خدمت میں نذر کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اپنی تعلیمت کو چھوڑ دیں، اور یہ دعوت کا کلام چھوڑ دیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیتے۔ سرداری بھی ملتی، روپیہ پیسہ بھی مل جاتا، اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو جاتیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک

ہاتھ میں ملتا ہے بھی لاکر رکھ دو گے، تب بھی میں اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ دنیا میں اس لئے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی مناس؟ بلکہ آپ کے آنے کا فائدہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ:

لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ، وَذَكَرَ اللَّهَ كَذِكْرٍ

(سورۃ الاحزاب: ۲۱)

یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم ان کی نقل اتارو، اور اس شخص کے لئے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

انسان نمونے کا محتاج ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب مآزل فرمادی تھیں، ہم اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کر لیتے؟ بہت دراصل یہ ہے کہ نمونے پیچھے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ صرف کتب اس کی اصلاح کے لئے اور اس کو کوئی فن، کوئی علم دہن سکھانے کے لئے کافی نہیں ہوتی، بلکہ انسان کو سکھانے کے لئے کسی مہل کے عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ سامنے نہیں ہوگا، اس وقت تک محض کتب پڑھنے سے کوئی علم اور کوئی فن نہیں آئے گا۔ یہ جز اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں داخل فرمائی ہے۔

ڈاکٹر کے لئے ”ہاؤس جاب“ لازم کیوں؟

ایک انسان اگر یہ سوچے کہ میڈیکل سائنس پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں، میں ان کتابوں کو پڑھ کر دوسروں کا علاج شروع کر دوں۔ وہ پڑھنا بھی جانتا ہے۔ سمجھ دار بھی

ہے۔ ذہین بھی ہے، اور اس نے کتابیں پڑھ کر علاج شروع کر دیا، تو وہ سوائے قبرستان آباد کرنے کے کوئی اور خدمت انجام نہیں دے گا۔

چنانچہ دنیا بھر کا قانون یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کر لی۔ اس کو اس وقت تک عام پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں، جب تک وہ ایک مدت تک ہاؤس جاب نہ کرے، اور جب تک کسی ہسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں عملی نمونہ نہیں دیکھے گا اس وقت تک صحیح ڈاکٹری نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس نے اب تک بہت سی چیزوں کو صرف کتب میں پڑھا ہے، ابھی اسکے عملی نمونے اس کے سامنے نہیں آئے۔ اب مرض۔ کتبلی تفصیل کے ساتھ۔ اس کی عملی صورت مریض کی شکل میں دیکھ کر اسے صحیح معنی میں علاج کرنا آئے گا اس کے بعد اس کو عام پریکٹس کی اجازت دے دی جائے گی۔

کتب پڑھ کر قورمہ نہیں بنا سکتے۔

کھانے پکانے کی کتابیں بازار میں چھپی ہوئی موجود ہیں، اور ان میں ہر چیز کی ترکیب لکھی ہوئی ہے کہ بریلی اس طرح بنتی ہے، پلاؤ اس طرح بنتا ہے، کلب اس طرح بنتے ہیں، قہرہ اس طرح بنتا ہے۔ اب ایک آدمی ہے جس نے آج تک کبھی کھانا نہیں بنایا، کتب سامنے رکھ کر لوہ اس میں ترکیب پڑھ کر قہرہ بنا لے، خدا جانے وہ کیا چیز تیار کرے گا۔ ہاں اگر کسی استاد اور جاننے والے نے اس کو سامنے بیٹھا کر بتا دیا کہ دیکھو، قہرہ اس طرح بنتا ہے، اور اس کی عملی تربیت دیدی، پھر وہ شاندار طریقے سے بنا لے گا۔

تھا کتب کافی نہیں

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ رکھی ہے کہ جب تک کسی مرنی کا عملی نمونہ اس کے سامنے نہ ہو، اس وقت تک وہ صحیح راستے پر صحیح طریقے پر نہیں آسکتا۔ اور کوئی علم و فن صحیح طور پر نہیں سیکھ سکتا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا جو

سلسلہ جاری فرمایا، وہ درحقیقت اسی مقصد کو بتانے کے لئے تھا کہ ہم نے کتب تو بھیج دی۔ لیکن تھا کتب تہمدی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہوگی، جب تک اس کتب پر عمل کرنے کے لئے نمونہ تمہارے سامنے نہ ہو، اس لئے قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے حضور مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ تم یہ دیکھو کہ یہ قرآن کریم تو ہماری تعلیمات میں اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری تعلیمات پر عمل کرنے کا نمونہ ہیں۔

تعلیمات نبوی کا نور در کلمہ ہے

قرآن کریم نے ایک اور جگہ پر کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

فَذَجَاءَ كَهْمُ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكَتَبْنَا الْيُسُفُفُ

(سورہ مائدہ: ۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تو کھلی کتب یعنی قرآن آیا ہے، اور اس کے ساتھ ایک نور آیا ہے، اس سے اشلہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اگر کسی کے پاس کتب موجود ہے، اور کتب میں سب کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس کے پاس روشنی نہیں ہے، نہ سورج کی روشنی ہے، نہ دن کی روشنی ہے، نہ بجلی کی روشنی ہے، نہ چراغ کی روشنی، بلکہ اندھیرا ہے۔ اس لئے اب روشنی کے بغیر اس کتب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح اگر دن کی روشنی موجود ہے، بجلی کی روشنی موجود ہے، لیکن آنکھ کی روشنی نہیں ہے۔ تب بھی کتب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ لہذا جس طرح روشنی کے بغیر کتب سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اسی طرح ہم نے قرآن کریم کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور بھیجا ہے جب تک تعلیمات کا یہ نور تمہارے پاس نہیں ہوگا، تم قرآن کریم نہیں سمجھ سکو گے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ تمہیں نہیں آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا نور ہیں

اب بعض ماحل اور بختدر شناس لوگ اس آیات کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی اعتبار سے بشر نہیں تھے۔ بلکہ ”نور“ تھے، ارے یہ تو دیکھو کہ یہ بجلی کا نور، یہ ٹیوب لائٹ کا نور، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نور کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔؟ درحقیقت اس آیت میں یہ بتانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں۔ یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتب بین پر صبح صبح عمل کر سکو گے اور اس نمونہ کے بغیر تمہیں صبح طرح عمل کرنے میں دشواری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ آپ کی تعلیمات کا نور کتب اللہ کی عملی تشریح کرے گا۔ یہ تمہیں تربیت دے گا۔ اور تمہارے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کر کے دکھائے گا کہ یہ دیکھو۔ اللہ کی کتب پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے، اور اب ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک مکمل اور کامل نمونہ بنا دیا، یہ ایسا نمونہ ہے کہ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، اور یہ نمونہ اس لئے بھیجا کہ تم اس کو دیکھو، اور اس کی نقل امدو، تمہارا کام بس یہی ہے،

آپ کی ذات ہر شعبہ زندگی کا نمونہ تھی

اگر تم باپ ہو تو یہ دیکھو کہ فاطمہ کے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو یہ دیکھو کہ عائشہ اور خدیجہ کے شوہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم حاکم ہو تو یہ دیکھو کہ مدینہ کے حاکم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح حکومت کی اگر تم مزدور ہو تو یہ دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو یہ دیکھو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی تجارت میں کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ آپ نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، سیاست بھی کی، معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو، بس! تم اس نمونہ کو دیکھو اور اس کی پیروی کرو، اسی مقصد کے لئے ہم نے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا یوم پیدائش منایا جائے، اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا جشن منا کر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے ان کا حق ادا کر دیا۔ بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کی ایسی اتباع کرو، جیسی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اتباع کر کے دکھائی۔

مجلس کا ایک ادب

صحابہ کرام کو ہر آن اس بات کا دھیان تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کس طرح ہو؟ صحابہ کرام ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے۔ سنئے: ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، خطبہ کے دوران آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کندلوں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بھی آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی تقریر یا جلسہ ہوتا ہے تو کچھ لوگ کندلوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ لوگ نہ تو بیٹھتے ہیں، اور نہ جاتے ہیں، اس طرح کندلوں پر کھڑا ہونا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، اگر تمہیں سنتا ہے تو بیٹھ جاؤ، اور اگر نہیں سنتا ہے تو جاؤ، اپنا راستہ دیکھو، اس لئے کہ اس طرح کھڑے ہونے سے بولنے والے کا ذہن بھی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے، اور سننے والوں کا ذہن بھی انتشار کا شکار رہتا ہے۔

اتباع ہو تو ایسی

بہر حال:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کندلوں پر کھڑے ہوئے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”بیٹھ جاؤ“ جس وقت آپ نے یہ حکم دیا اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر سڑک پر تھے اور مسجد نبوی کی طرف آرہے تھے، اور ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ کہ اس وقت ان کے کان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز آئی کہ ”بیٹھ جاؤ“ آپ وہیں سڑک پر بیٹھ گئے، خطبہ کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ

میں نے تو بیٹھنے کا حکم ان لوگوں کو دیا تھا جو یہاں مسجد کے کندروں پر کھڑے ہوئے تھے، لیکن تم تو سڑک پر تھے، اور سڑک پر بیٹھنے کو تو میں نہیں کہا تھا، تم وہاں کیوں بیٹھ گئے؟۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب حضور (قدس صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ”بیٹھ جاؤ“ تو پھر عبداللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم آگے بڑھائے۔۔۔

اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو جانتے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سڑک پر بیٹھنے کا حکم نہیں دے رہے تھے، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ”بیٹھ جاؤ“ تو اب اس کے بعد قدم نہیں اٹھ سکتا، صحابہ کرام کی اتباع کا یہ حل تھا، ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے تھے، عشق و محبت کے دعوے دار تو بہت ہیں لیکن ان صحابہ کرام جیسا عشق کوئی لے کر تو آئے۔

میدان جنگ میں ادب کا لحاظ

میدان احد میں حضرت ابو دجنہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سرکلہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیر رہے جا رہے ہیں، تیروں کی بدش ہو رہی ہے، حضرت ابو دجنہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آڑ بن جائیں، لیکن اگر ان تیروں کی طرف سینہ کر کے آڑ بنتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جاتی ہے اور یہ گوارا نہیں کہ میدان جنگ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنا سینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور پشت کھد کے تیروں کی طرف کر دی، اور اس طرح تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تھے، مگر جنگ کے میدان میں بھی یہ بے ادبی نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بہت دور مکان لے لیا تھا، وہاں رہنے لگے تھے، اور دوری کی وجہ سے وہاں سے روزانہ مسجد نبوی میں حاضری دینا مشکل تھا، چنانچہ ان کے قریب ایک صاحب رہتے تھے، ان سے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک دن تم مسجد نبوی چلے جایا کرو، اور ایک دن میں جایا کروں گا، جس دن تم جلو، اس دن واپس آکر مجھے یہ بتانا کہ آج حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں، اور جب میں جایا کروں گا تو میں واپس آکر تمہیں بتا دیا کروں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں، تاکہ سرکلہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات چھوٹنے نہ پائے، اس طرے صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور سنتوں پر جان دی ہے۔

اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر محلات طے کرنے کے لئے حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بی بی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں جا کر اپنے چچا زاد بھائی کے گھر ٹھہر گئے، اور جب صبح کے وقت مکہ کے سرداروں سے مذاکرات کے لئے گھر سے جانے لگے تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پاچلہ ٹخنوں سے اوپر آدمی پنڈلی تک تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ تھا کہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا تو بالکل ناجائز ہے۔ اگر ٹخنوں سے اوپر ہو تو جائز ہے۔ لیکن حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اور عادت یہ تھی کہ آپ آدمی پنڈلی تک اپنا ازار رکھتے تھے، اس سے نیچے نہیں ہوتا تھا..... چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی نے کہا کہ جناب! عربوں کا دستور یہ ہے کہ جس شخص کا ازار اور تہبند جتنا لٹکا ہوا ہو، اتنا ہی اس آدمی کو بڑا سمجھا جاتا ہے، اور سردار قسم کے لوگ اپنی ازار کو لٹکا کر رکھتے ہیں اس لئے اگر آپ اپنی ازار اس طرح اونچی پس کر ان لوگوں کے پاس جائیں گے تو اس صورت میں ان کی نظروں میں آپ کی وقعت نہیں ہوگی، اور مذاکرات میں جان نہیں پڑے گی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچا

زاد بھائی کی باتیں سنیں تو ایک ہی جواب دیا، فرمایا کہ:

لا اھکذا ازرقہ صاحبنا صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں میں اپنا ازار اس سے بچا نہیں کر سکا، میرے آقا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہے، یعنی اب یہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، میری عزت کریں، یا بے عزتی کریں، جو چاہیں کریں مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار دیکھ چکا ہوں، اور آپ کا جیسا ازار ہے، ویسا ہی میرا ہے گا اسے میں تبدیل نہیں کر سکا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، فتح ایران، جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو اس نے نہ اکرات کے لئے آپ کو اپنے دربار میں بلایا، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھٹا لاکر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھٹا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا..... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اسکو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کون سے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی بقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھا لو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اسکو صاف کر لو، اور پھر کھا لو..... چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی، اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مل کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ تو دنیا کی سہولت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہو نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی، اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا

کہ۔ اَن تَرَکَ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَّہٗوَالِدُ الْحَمَقِ؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا

لب تہائیے کہ انہوں نے اپنی عزت کر لئی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کردار ہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کر لئی، اور ایسی عزت کر لئی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ابرہہ ان کے وہ کج کلام جو غرور کے بجتے بنے ہوئے تھے، ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضورِ قدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ:

اِذَا هَلَكَ كَسْرِيٌّ فَلَا كَسْرٰی بَعْدَہٗ

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

اس واقعہ سے پہلے یہ ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے، اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے، تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سا لباس پہنے ہوتے تھے، چونکہ لباسِ سفر کے آئے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا، اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بلو شہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جا رہے ہو؟ پھر یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ اس دربار سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کے لئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے، تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی

لباس میں جائیں گے، اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں، تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہذا ہم واپس جا رہے ہیں۔

تکوار دیکھ لی۔ بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں، جو جب لینے کو بھی تیار نہیں، اس دوران حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تکوار کے اوپر لپٹی ہوئی کتروں کو درست کرنے لگے، جو تکوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھیں۔ اس چوکیدار نے تکوار دیکھ کر کہا: ذرا مجھے اپنی تکوار تو دکھاؤ، آپ نے وہ تکوار اس کو دے دی، اس نے وہ تکوار دیکھ کر کہا کہ: کیا تم اس تکوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تکوار دیکھی ہے: تکوار چلانے والا ہاتھ نہیں دکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تکوار کا دار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو، اور پھر میرا ہاتھ دیکھو۔ چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تکوار اس کو نہیں کاٹ سکتی، وہ منگوائی گئی، حضرت ربیع بن عامر نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا، تو حضرت ربیع بن عامر نے وہ تکوار جس پر کتروں لپٹی ہوئی تھیں، اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آگئی ہے۔

یہ ہیں فتح ایران

بہر حال! اس کے بعد دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ ایک عجیب و غریب مخلوق آئی ہے۔ جو نہ تھمرا دیا ہوا لباس پہنتی ہے، اور ان کی تکوار بظاہر تو ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہے، لیکن اس نے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ان کو اندر

بلوایا گیا۔ کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے۔ ... حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیروکار ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں، یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں، یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو۔۔۔۔۔ کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کے لئے آئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک منی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کر دو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک منی کا ٹوکرا ان کو دیدیا گیا۔ حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ: اے کسریٰ! یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی منی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔ ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ ہو کہ ”ایران کی منی ہمیں دے دی“ یہ تو بڑی بد فلاحی ہو گئی، اب کسریٰ نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جلدی سے وہ منی کا ٹوکرا واپس لے آؤ۔ اب حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ کہیں ہاتھ آنے والے تھے، چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی منی انہی ٹوٹی ہوئی ٹکوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

آج مسلمان ذلیل کیوں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع میں، آپ کی سنتوں کی تعمیل میں، ان حضرات صحابہ نے دنیا بھر میں اپنا لوہا منوایا، اور آج ہم پر یہ خوف مسلط ہے کہ اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا، تو لوگ کیا کہیں گے، اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا، تو دنیا والے مذاق اڑائیں گے۔ انگلیں مذاق اڑائے گا۔ فلاں ملک والے مذاق اڑائیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا میں آج ذلیل ہو رہے ہیں، آج دنیا کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں کی ہے، آج دنیا میں جتنے مسلمان ہیں، اتنے مسلمان اس سے پہلے

کبھی نہیں ہوئے، اور آج مسلمانوں کے پاس جتنے وسائل ہیں، اتنے وسائل اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے، لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تہمداری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تم ایسے ہو گے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے ہوتے ہیں، جن کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا، آج ہمارا یہ حال ہے، وہ اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑیں، اپنے کردار چھوڑے، اور اپنی صورت تک بدل ڈالی، سر سے لے کر پاؤں تک ان کی نقل اتار کر یہ دکھا دیا کہ ہم تہمدارے غلام ہیں، لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہیں، اور روزانہ پٹائی کرتے ہیں، کبھی اسرائیل پٹائی کر رہا ہے۔ کبھی کوئی دوسرا ملک پٹائی کر رہا ہے، لہذا ایک مسلمان جب حضور مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دے گا تو یاد رکھو اس کے لئے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہنسے جانے سے جب تک ڈرو گے

ایک شاعر گزرے ہیں اسعد ملکنی مرحوم، انہوں نے بڑے اچھے حکیمانہ شعر کہے ہیں: فرماتے ہیں کہ:

کسی کا آستند اونچا ہے لہذا

کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے

زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

جب تک تم اس بات سے ڈرو گے کہ فلاں ہنسے گا، فلاں مذاق اڑائے گا تو زمانہ

ہنستا ہی رہے گا، اور دیکھ لو کہ ہنس رہا ہے، اور اگر تم نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور آپ کی سنتوں کی اتباع کر لی تو پھر دیکھو کہ دنیا تہمداری کیسی عزت کرتی ہے۔

صاحب ایمان کے لئے اتباع سنت لازم ہے

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ سنتیں چھوڑنے سے ذلت ہوتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سارے کفار و مشرکین، امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک والے، سب نے سنتیں چھوڑ رکھی ہیں۔ اور اسکے باوجود وہ خوب ترقی کر رہے ہیں، اور خوب ان کی عزت ہو رہی ہے، ان کو کیوں ترقی ہو رہی ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ تم صاحب ایمان ہو، تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلہ پڑھا ہے، تم جب تک ان کے قدموں پر سر نہیں رکھو گے، اس وقت تک اس دنیا میں تسماری پائی ہوئی رہے گی، اور تمہیں عزت حاصل نہیں ہوگی، کافروں کے لئے تو صرف دنیا ہی دنیا ہے، وہ اس دنیا میں ترقی کریں، عزت کرائیں، جو چاہے کرائیں، تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرو، چودہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، جب تک مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیا، اس وقت تک عزت بھی پائی، شوکت بھی حاصل کی، اقتدار بھی حاصل کیا، لیکن جب سے سنتیں چھوڑ دی ہیں، اس وقت سے دیکھ لو، کیا حالت ہے۔

اپنی زندگی کا جائزہ لیں

بہر حل! تقریریں تو ہوتی رہتی ہیں، جلدی بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس تقریر کے نتیجے میں ہمارے اندر کیا فرق واقع ہوا؟ اس لئے آج ایک کام کا عہد کریں کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہم حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اور کونسی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اور کونسی سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں۔ اور کونسی سنت ایسی ہے جس میں تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے؟ لہذا جو سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں، وہ آج سے شروع کر دیں۔ اور اس کا اہتمام کریں۔

اللہ کے محبوب بن جاؤ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ بیت الخلا یا غسل خانے میں داخل ہو رہے ہو، بایں پاؤں پہلے داخل کر دو، اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لو کہ ”اللهم لی اعوذ بک من الخبث والخبائث“ اور یہ نیت کر لو کہ یہ کام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں، بس پھر جس وقت یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو جائے گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

”كَانَ يَتَخَوَّفُ يَخْبِيكُمْ اللَّهُ“

(سورہ آل عمران: ۳۱)

”اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لیں گے“ لہذا اگر چھوٹے چھوٹے کام، سنت کا لحاظ کرتے ہوئے کر لئے جائیں، بس محبوبیت حاصل ہونے لگے گی، اور جب سراپا اتباع بن جاؤ گے تو کامل محبوب ہو جاؤ گے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے مدتوں اس بات کی ریاضت اور مشق کی ہے کہ گھر میں داخل ہوا، کھانا سامنے چٹا ہوا ہے، بھوک شدت کی لگی ہوئی ہے۔ اور کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔۔۔ لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے کہ کھانا نہیں کھائیں گے، پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ جب آپ کے سامنے اچھا کھانا آتا تھا تو آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے، اب ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھانا کھائیں گے۔۔۔ لہذا اب جو کھانا کھایا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بھی حاصل ہو گئی، اور طبیعت بھی سیر ہو گئی۔

یہ عمل کر لیں

گھر میں داخل ہوئے، اور پچہ کھیلنا ہوا اچھا معلوم ہوا، اور دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھالیں، لیکن ایک لمحے رک گئے کہ نہیں اٹھائیں گے، پھر دوسرے لمحے دل میں یہ

خیل لائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر شفقت فرماتے ہوئے ان کو گود میں اٹھالیا کرتے تھے، میں بھی آپ کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤنگا، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ کی اتباع میں جب بچے کو اٹھایا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ بن گیا... دنیا کا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں اتباع سنت کی نیت نہ کر سکتے ہوں، آپ کی سنتوں پر کتب چھپی ہوئی ہے ”اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم“ وہ کتاب سامنے رکھ لیں۔ ایک ایک سنت دیکھتے جائیں اور اپنی زندگی میں داخل کرتے جائیں، پھر دیکھو گے انشاء اللہ ان سنتوں کا کیسا نور حاصل ہوتا ہے، اور پھر تمہارا بدن سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہو گا، اور ہر لمحہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لمحہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

سیرت النبی کے جلسے اور جلوس

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



منشیہ و ترتیب
محمد عبد الرشید

میعین اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۲۱

خطاب:	جشن مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
ضبط و ترتیب:	محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت:	۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ بروز جمعہ
مقام:	جامع مسجد نعمان، سبیلہ چوک۔ کراچی
کپوزنگ:	پرنٹ ماسٹرز

سیرت النبیؐ کے جلسے اور جلوس

الحمد لله حمداً نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونوكل عليه ونعوذ بالله
من شره، انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً
عبداً ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً
اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ، وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا
(سورة الاحزاب: ۲۱)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك
من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

آپ کا ذکر مبارک

بزرگن محترم و برادران عزیز، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک انسان کی عظیم ترین سعادت ہے اور اس روئے زمین پر کسی بھی ہستی کا تذکرہ اتنا باعث اجر و ثواب اتنا باعث خیر و برکت نہیں ہو سکتا جتنا سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔ لیکن تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان سیرت طیبہ کی محفلوں میں ہم نے بہت سی ایسی غلط باتیں شروع کر دی ہیں۔ جن کی وجہ سے ذکر مبارک کا صحیح فائدہ اور صحیح ثمرہ ہمیں حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ

ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک صرف ایک مہینے یعنی ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اور ربیع الاول کے بھی صرف ایک دن اور ایک دن میں بھی صرف چند گھنٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا ہے، یہ حضو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ اتنا برا غلطی ہے کہ اس سے بڑا عظیم سیرت طیبہ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگی میں کہیں بہت آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ اور نہ آپ کو اس کی ایک مثال ملے گی کہ انہوں نے ۱۲ ربیع الاول کو خاص جشن منایا ہو۔ عید میلاد النبی کا اہتمام کیا ہو، یا اس خاص مہینے کے اندر سیرت طیبہ کے محفلیں منعقد کی ہوں۔ اس کے بجائے صحابہ کرام کا ہر طبقہ یہ تھا کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں وہ صحابہ ملے انہوں نے آپ کی احادیث اور آپ کے ارشادات آپ کی وہی ہوئی تعلیمات کا آپ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اس لئے ان کی ہر محفل، سیرت طیبہ کی محفل تھی۔ ان کی ہر نشست سیرت طیبہ کی نشست تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور تعلق کے اظہار کے لئے رسمی مظاہروں کی ضرورت نہ تھی کہ عید میلاد النبی منیٰ جاری ہے اور جلوس نکالے جا رہے

ہیں۔ جیسے ہو رہے ہیں۔ چراغل کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کے کاموں کی صوابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ایک مثل بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

اسلام رسمی مظاہروں کا دین نہیں

بات در حقیقت یہ تھی کہ رسمی مظاہرہ کرنا صحابہ کرام کی عادت نہیں تھی، وہ اس کی روح کو لپٹائے ہوئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے؟ آپ کا کیا پیغام تھا؟ آپ کی کیا تعلیم تھی؟ آپ دنیا سے کیا چاہتے تھے؟ اس کام کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی کو وقف کر دیا۔ لیکن اس قسم کے رسمی مظاہرے نہیں کئے۔ اور یہ طریقہ ہم نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ غیر مسلم اقوام اپنے بڑے بڑے میزوروں کے دن منایا کرتی ہیں۔ اور ان دنوں میں خاص جشن اور خاص محفل منعقد کرتی ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہم نے سوچا کہ ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے لئے عید میلاد النبی منائیں گے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کے نام پر کوئی دن منایا جاتا ہے۔ در حقیقت یہ وہ نوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کے تمام لمحات کو قتل اقتداء اور قتل قہلید نہیں سمجھا جاسکتا، بلکہ یا تو وہ سیاسی لیڈر ہوتا ہے۔ یا کسی اور دنیاوی معاملے میں لوگوں کا قائد ہوتا ہے، تو صرف اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے اس کا دن منایا گیا لیکن اس قائد کے بدلے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قتل قہلید ہے۔ اور اس نے دنیا میں جو کچھ کیا، وہ صحیح کیا ہے، وہ معصوم اور غلطیوں سے پاک تھا لہذا اس کی ہر چیز کو لپٹایا جائے۔ ان میں سے کسی کے بدلے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا۔

آپ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے

لیکن یہاں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ آپ انسانیت کے سامنے ایک مکمل اور بہترین نمونہ پیش کریں، ایسا نمونہ بن جائیں، جس کو دیکھ کر لوگ نقل

آئیں۔ اس کی تہدید کریں، اس پر عمل پیرا ہوں، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بحالنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ آپ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہمارے لئے ایک مثل ہے۔ ایک نمونہ ہے۔ اور ایک قہیدہ عمل ہے۔ اور ہمیں آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی نقل اندنی ہے۔ اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے فریضہ ہے، لہذا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے دوسرے لیڈروں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کہ ان کا ایک دن مثالی اور بہت ختم ہو گئی بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو ہماری زندگی کے ایک ایک شعبے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نمونہ بنا دیا ہے۔ اور سب چیزوں میں ہمیں ان کی اقتدا کرنی ہے، ہمارا زندگی کا ہر دن ان کی یاد منانے کا دن ہے۔

ہماری نیت درست نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ سیرت کی محفلیں اور جلسے جگہ جگہ منعقد ہوتے ہیں، اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ کام کتنا ہی اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو۔ مگر جب تک کام کرنے والے کی نیت صحیح نہیں ہوگی جب تک اس کے دل میں داعیہ اور جذبہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس وقت تک وہ کام بے کار، بے فائدہ، بے مصرف، بلکہ بعض اوقات معر، نقصان دہ اور باعثِ گنہگار جاتا ہے، دیکھئے، نماز کتنا اچھا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور قرآنِ حدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص نماز اس لئے پڑھ رہا ہے تاکہ لوگ مجھے نیک متی اور پارسا سمجھیں، ظاہر ہے کہ وہ ساری نماز اکلت ہے، بے فائدہ ہے، بلکہ ایسی نماز پڑھنے سے ثواب کے بجائے الٹا گنہگار ہوگا، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

من صلی یراف فقد اشرك بالله

(مسند احمد، ج ۴ ص ۱۳۶)

”جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے تو گویا کہ اس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرایا ہے“

اس لئے کہ وہ نماز اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں پڑھ رہا ہے۔ بلکہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور مخلوق میں اپنا تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کے لئے پڑھ رہا ہے، اس لئے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا، اتنا اچھا کام تھا، لیکن صرف نیت کی خرابی کی وجہ سے بیکار ہو گیا، اور اتنا باعثِ گنہگار بن گیا۔

یہی معاملہ سیرت طیبہ کے سننے اور سنانے کا ہے۔ اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح جذبے سے سنتا اور سنانا ہے تو یہ کام بلاشبہ عظیم الشان ثواب کا کام ہے اور باعثِ خیر و برکت ہے۔ اور زندگی میں انقلاب لانے کا موجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح نیت سے نہیں سنتا، اور صحیح نیت سے نہیں سنانا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ کچھ اور اغراض و مقاصد دل میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور جن کے تحت سیرت طیبہ کے جلسے اور محفلیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ تو بھائیو! یہ بڑے گھٹائے کا سودا ہے، اس لئے کہ ظاہر میں تو نظر آرہا ہے کہ آپ بہت نیک کام کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ اتنا گنہگار سبب بن رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عتاب کا سبب بن رہا ہے۔

نیت کچھ اور ہے

اس نقطہ نظر سے اگر ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں، اور سچے دل سے نیک نیتی کے ساتھ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان تمام محفلوں میں جو کراچی سے پشاور تک منعقد ہو رہی ہیں، کیا ان کے منتظمین اس بناء پر محفل منعقد کر رہے ہیں کہ ہملا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے؟ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقصود ہے؟ کیا اس لئے محفل منعقد کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات ان محفلوں میں سنیں گے اس کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے؟ بعض اللہ کے نیک بندے ایسے بھی ہوں گے جن کی یہ نیت ہوگی۔ لیکن ایک عام طرزِ عمل دیکھئے تو یہ نظر آئے گا محفل منعقد کرنے کے مقاصد ہی کچھ اور ہیں۔ نیتیں ہی کچھ اور ہیں، یہ نیت نہیں ہے کہ اس جلسے میں شرکت کے بعد ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے، بلکہ نیت یہ ہے کہ محلے کی کوئی انجمن ہے، جو اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے جلسہ منعقد کر رہی ہے، اور یہ خیال ہے کہ جلسہ سیرت النبی

کرنے سے ہماری انجمن کی شہرت ہو جاتی گی، کوئی جماعت اس لئے جلسہ سیرت النبی منعقد کر رہی ہے کہ اس جلسہ کے ذریعہ ہماری تعریف ہوگی کہ بڑا شاندار جلسہ کیا، بڑے اعلیٰ درجے کے مقررین بلائے، اور بڑے مجمع نے اس میں شرکت کی اور مجمع نے ان کی بڑی تحسین کی کہیں جلسے اس لئے منعقد ہو رہے ہیں کہ اپنی بات کہنے کا کوئی اور موقع تو ملتا نہیں ہے، کوئی سیاسی بات ہے یا کوئی فرقہ وارانہ بات ہے جس کو کسی اور پلیٹ فدم پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے سیرت النبی کا ایک جلسہ منعقد کر لیں، اور اس میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں، چنانچہ اس جلسے میں پہلے حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف کے دو چل چلے بیان ہو گئے اور اس کے بعد پوری تقریر میں اپنے مقاصد بیان ہو رہے ہیں، اور فریق مخالف پر بمباری ہو رہی ہے۔ اس غرض کے لئے جلسے منعقد ہو رہے ہیں۔

دوست کی ناراضگی کے ڈر سے شرکت

پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر واقعہً سچے دل سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی نیت سے ہم نے یہ محفلیں منعقد کی ہوں تو پھر ہمارا طرزِ عمل کچھ اور ہوتا، ایک گھر میں ایک محفل میلاد منعقد ہو رہی ہے، اب اگر اس محفل میں اس کا کوئی دوست یا رشتہ دار شریک نہیں ہوا تو اس کو مطعون کیا جا رہا ہے اور اس پر ملامت کی جا رہی ہے۔ اور اس سے شکایتیں ہو رہی ہیں، اس محفل میں شرکت کرنے والوں کی نیت یہ نہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سخی ہے اور اس پر عمل کرنا ہے بلکہ نیت یہ ہے کہ کہیں محفل منعقد کرنے والے ہم سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اور ان کے دل میں شکایت پیدا نہ ہو جائے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہے، محفل منعقد کرنے والوں کو راضی کرنے کی فکر ہے۔

مقرر کا جوش دیکھنا مقصود ہے

کوئی شخص اس لئے جلسے میں شرکت کر رہا ہے کہ اس میں فلاں مقرر صاحب

تقریر کریں گے۔ ذرا جا کر دیکھیں کہ وہ کیسی تقریر کرتے ہیں، سنا ہے کہ بڑے جوشیے اور شاندار مقرر ہیں۔ بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں۔ گویا کہ تقریر کا مزہ لینے کے لئے جا رہے ہیں، تقریر کے جوش و خروش کا اندازہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ اور یہ دیکھنے کے لئے جا رہے ہیں کہ فلاں مقرر کیسے گا گا کر شعر پڑھتا ہے کتنے واقعات سنانا ہے۔

وقت گزاری کی نیت ہے

کچھ لوگ اس لئے سیرت النبی کے جلسے میں شرکت کر رہے ہیں کہ چلو، آج کوئی اور کام نہیں ہے، اور وقت گزاری کرنی ہے، چلو، کسی جلسے میں جا کر بیٹھ جاؤ تو وقت گزر جائے گا۔ اور بے شمار افراد اس لئے شریک ہو رہے ہیں کہ گھر میں تو دل نہیں لگ رہا ہے اور محلے میں ایک جلسہ ہو رہا ہے، چلو، اس میں تھوڑی دیر جا کر بیٹھ جائیں، اور جتنی دیر دل لگے گا، وہاں بیٹھ رہیں گے، اور جب دل گھبرائے گا، اٹھ کر چلے جائیں گے۔

ہذا مقصد یہ نہیں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو حاصل کیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ کچھ وقت گزاری کا سامان ہو جائے، اگرچہ بعض اوقات اس طرح وقت گزاری کے لئے جانا بھی فائدہ مند ہو جاتا ہے، اللہ رسول کی کوئی بات کان میں پڑ جاتی ہے۔ اور اس سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے، ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں لیکن میں نیت کی بات کر رہا ہوں کہ جاتے وقت نیت درست نہیں ہوتی۔ یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سن کر اس پر عمل پیرا ہوں گا۔

ہر شخص سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اور آپ کی حیات

طیبہ مشعل راہ ہے، یہ ایک پیغام ہدایت ہے، اور یہ ایک اسوہ حسنہ ہے، ایک مکمل نمونہ ہے، لیکن ہر شخص کے لئے نمونہ نہیں ہے، بلکہ اس شخص کیلئے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہو۔ اور اس شخص کے لئے جو یوم آخرت کو سنوارنا چاہتا ہو۔ اور یوم آخرت پر اس کا پورا ایمان اور یقین اور بھروسہ ہو۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔ لہذا جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اس کے لئے سیرت طیبہ ایک پیغام ہدایت ہے۔

لیکن جس شخص کے اندر یہ اوصاف موجود نہیں اور جو اللہ کو راضی کرنا نہیں چاہتا۔ اور جو یوم آخرت پر بھروسہ نہیں رکھتا، اور یوم آخرت کو سنوارنے کے لئے یہ کام نہیں کرتا۔ اور وہ اللہ کو کثرت سے یاد نہیں کرتا، اس کے لئے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اس کے لئے ہدایت کا پیغام بن جائے گی۔ سیرت طیبہ تو ابو جہل کے سامنے بھی تھی، اور ابو لب کے سامنے بھی تھی، اسے بن خلف کے سامنے بھی تھی۔ لیکن وہ سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکے

بدار، کہ در لطافت طبعش خلاف نیت

درباغ لاله مدید و در شہد یوم خس

یعنی وہ زمین ہی بخر تھی۔ اور اس بخر زمین میں ہدایت کا بیج ڈالا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ بار آور نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر نہیں، اور آخرت کو سنوارنے کی فکر نہیں، اور اللہ کی یاد اس کے دل میں نہیں ہے تو پھر کسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے وہ شخص اپنی زندگی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

لہذا یہ سارے مناظر جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں بسا اوقات ہماری منتیں درست نہیں ہوتیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں تقریریں سن لیں، اور ہزاروں محفلوں میں شرکت کر لی۔ لیکن زندگی جیسے پہلے تھی ویسی آج بھی ہے، جس طرح پہلے ہمارے دلوں میں گناہوں کا شوق اور گناہوں کی طرف رغبت تھی وہ آج بھی موجود ہے اس کے اندر کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انہی سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والی محفلوں میں عین محفل کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں جو سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے۔ آپ کی تعلیمات، آپ کی سنتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان ہدایات کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر آئے تھے۔

سیرت کے جلسے اور بے پردگی

چنانچہ ہمارے معاشرے میں اب ایسی محفلیں کثرت سے ہونے لگی ہیں جن میں مخلوط اجتماع ہے اور عورتیں اور مرد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اور سیرت طیبہ کا بیان ہو رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کو فرمایا کہ اگر تمہیں نماز بھی پڑھنی ہو تو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھو، اور گھر میں محن کے بجائے کمرے میں پڑھو، اور کمرے میں بہتر یہ ہے کہ کوٹھری میں پڑھو، عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دے رہے ہیں۔ لیکن انہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو رہا ہے۔ جس میں عورتیں اور مرد مخلوط اجتماعات میں شریک ہیں، اور کسی لفظ کے بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ سیرت طیبہ کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے، پوری آرائش اور زیبائش کے ساتھ جگمگ کر بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں، اور مرد بھی ساتھ موجود ہیں۔

سیرت کے جلسے میں موسیقی

نبی کریم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے جس کام کے لئے بھیجا گیا ہے اس میں سے ایک اہم کام یہ ہے کہ میں ان بچوں یا خیروں کو اور سادہ سردار کو اور آلات موسیقی کو اس دنیا سے منادوں۔ لیکن آج انہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر محفل منعقد ہو رہی ہے۔ جلسہ ہو رہا ہے اور اس میں

ساز و سرور کے ساتھ نعت پڑھی جا رہی ہے، اور اس میں قولی شریف ہو رہی ہے قولی کے ساتھ لفظ ”شریف“ بھی لگ گیا ہے۔ اور اس میں پورے آب و تاب کے ساتھ ہر موئم بچ رہا ہے، ساز و سرور ہو رہا ہے۔ عام گھوں میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کوئی فرق نہیں رکھا جا رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیوژن پر عورتیں اور مرد مل کر نعتیں پڑھ رہی ہیں ٹیلیوژن دیکھنے والوں نے بتایا کہ عورتیں پورے آرائش اور زیبائش کے ساتھ ٹیلیوژن پر آ رہی ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے جو آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ عورت جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ:

وَلَا تَجْعَلْنَ تَبِيعَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

(سورۃ الاحزاب: ۳۳)

یعنی زمانہ جاہلیت کی طرح تم بڑے سنگھڑ کر کے مردوں کے سامنے مت آؤ، آج وہی عورت پورے میک اپ اور بڑے سنگھڑ کے ساتھ مردوں کے سامنے آ رہی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھ رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور سیرت کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت آپ کی طرف متوجہ ہوگی تو پھر آپ سے زیادہ دھوکے میں کوئی اور نہیں ہے۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو مٹا کر، آپ کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر کے، آپ کی سیرت طیبہ کی مخالفت کر کے اور اس کا مذاق اڑا کر بھی اگر آپ اس کے حتمی ہیں کہ اللہ کی رحمتیں آپ پر نچلور ہوں تو اس سے بڑا مغالطہ اور اس سے بڑا دھوکہ اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ معلو اللہ ... یہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے عتاب کو دعوت دینی والی باتیں ہیں، وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تا فرمائی کے کام ہیں، وہ ہم عین سیرت طیبہ کو بیان کرتے وقت کرتے ہیں

سیرت کے جلسے میں نمازیں قضا

پہلے بات صرف جلسوں کی حد تک محدود تھی کہ سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے، اس میں شریعت کی چاہے جتنی خلاف ورزی ہو رہی ہو، کسی کو پروا نہ تھی، لیکن اب تو بات اور آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ اور ان انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں، کسی شخص کو نماز کا ہوش نہیں، پھر رات کے دو دو بجے تک تقریریں ہو رہی ہیں۔ اور صبح فجر کی نماز جاری ہے۔ جب کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ تھا کہ جس شخص کی ایک عمر کی نماز فوت ہو جائے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس کے تمام مل اور تمام اہل و عیال کو کوئی شخص لوٹ کر لے گیا۔ اتنا عظیم نقصان ہے۔ لیکن سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کوئی فکر نہیں، اس لئے کہ ہم تو ایک مقدس کام میں لگے ہوئے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی جو تاکید بیان فرمائی تھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سیرت کے جلسے اور ایذاء مسلم

لور سنئے: سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ جس میں کل بیچیس تیس سامعین بیٹھے ہیں۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر اتنا بڑا لگا ضروری ہے کہ اس کی آواز پورے محلے میں گونجے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک جلسہ ختم نہ ہو جائے اس وقت تک محلے کا کوئی بیمار، کوئی ضعیف، کوئی بوڑھا اور معذور آدمی سو نہ سکے۔ حلال کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمل تو یہ تھا کہ آپ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہو رہے ہیں، لیکن کس طرح بیدار ہو رہے ہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ”تھام رویدا آپ دھیرے سے اٹھے کہیں ایسا نہیں ہو کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی آنکھ کھل جائے۔“ فتح ملباب رویدا ”آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عائشہ کی آنکھ کھل جائے (رضی اللہ عنہا) اور نماز جیسے فریضے کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں نماز کے کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو خنصر کر دیتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچے کی آواز سن کر اس کی ماں کسی مشقت

میں جٹلا ہو جائے۔۔۔ لیکن یہاں بلا ضرورت، بغیر کسی وجہ کے، صرف ۲۵، ۳۰ مائین کو سنانے کے لئے اتکا پڑا لاؤڈ اسپیکر نصب ہے کہ کوئی ضعیف، بیدار آدمی اپنے گھر میں سو نہیں سکتا، اور انتظام کرنے والے اس سے بے خبر ہیں کہ کتنے بڑے کبیرہ گنلو کالر ٹکب ہو رہا ہے۔ اس لئے (نیلن)، کتاب عشرۃ اشہاء، باب الغیرۃ، حدیث نمبر ۳۹۶۳) کرایہء مسلم کبیرہ گنلو ہے، اس کا کسی کو احساس نہیں۔

دوسروں کی نقلی میں جلوس

ہذا یہ سدا طرز عمل اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ درحقیقت نیت درست نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی نیت نہیں ہے بلکہ مقاصد کچھ اور ہیں۔۔۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلے صرف جلوس کی حد تک بات تھی، اب تو جلوس سے آگے بڑھ کر جلوس نکالنا شروع ہو گئے۔ اور اس کے لئے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فرقہ فلاں مینے میں اپنے امام کی یاد میں جلوس نکالتا ہے تو پھر ہم اپنے نبی کے نام پر بیچ لاول بیچ کر کیوں نہ نکالیں، گویا کہ اب ان کی نقل اتار کر جاری ہے کہ جب محرم کا جلوس نکلتا ہے تو بیچ لاول کا بھی نکالنا چاہئے، بزم خودیہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اور آپ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

لیکن اس پر ذرا غور کریں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جلوس کو دیکھ لیں جو آپ کے نام پر نکالا جا رہا ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گوارا اور پسند فرمائیں گے؟۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ اس امت کو ان کی مظاہروں سے اجتناب کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظاہری اور دینی چیزوں کی طرف جانے کے بجائے میری تعلیمات کی روح کو دیکھو، اور میری تعلیمات کو اپنی زندگی میں لپٹانے کی کوشش کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری حیات طیبہ میں کوئی شخص ایک نظیر یا ایک مثل اس بات پر پیش کر سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نام پر بیچ لاول میں یا کسی مینے میں کوئی جلوس نکالا گیا ہو؟۔۔۔ بلکہ پورے تیرہ سو سال کی تاریخ میں کوئی ایک مثل کم از کم مجھے تو نہیں ملی کہ کسی نے آپ

کے نام پر جلوس نکلا ہو۔ ہاں! شیعہ حضرات محرم میں اپنے امام کے نام پر جلوس نکلا کرتے تھے، ہم نے سوچا کہ ان کی نقل میں ہم بھی جلوس نکالیں گے۔ ملاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رثلو ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم

(ابو داؤد، کتاب الباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث نمبر ۴۰۳۱)
جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہو جاتا ہے اور صرف جلوس نکالنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہو رہا ہے کہ کعبہ شریف کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں، روضہ اقدس کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں۔ گنبد خضراء کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں۔ پورا لالو کھیت ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور دنیا بھر کی عورتیں، بچے، بوڑھے اس کو تبرک سمجھ کر برکت حاصل کرنے کے لئے اس کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہاں جا کر دعائیں مانگی جا رہی ہیں، ختمیں ملانی جا رہی ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے نام پر یہ کیا ہو رہا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک کو، بدعت کو، اور جاہلیت کو مٹانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ اور آج آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر یہ ساری بدعت شروع کر دیں، روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گنبد سے کوئی مناسبت نہیں، جو آپ نے اپنے ہاتھوں بنا کر کھڑا کر دیا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو مقدس سمجھ کر تبرک کے لئے کوئی اس کو چوم رہا ہے، کوئی اس کو ہاتھ لگا رہا ہے۔

حضرت عمر اور حجر اسود

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حجر اسود کو چومنے کا وقت فرماتے ہیں کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں تو ایک پتھر کے سوا کچھ نہیں ہے، خدا کی قسم! اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے تجھے چومنا ہوتا دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا، لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چومنے کو چاہئے دیکھا ہے، اور ان کی یہ سنت ہے اس واسطے میں تجھے چومتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود، حدیث نمبر ۱۵۹۷)

وہاں تو جبراسود کو یہ کہا جا رہا ہے۔ اور یہاں اپنے ہاتھ سے ایک گنبد بنا کر کھڑا کر دیا، اپنے ہاتھ سے ایک کعبہ بنا کر کھڑا کر دیا، اور اس کو متبرک سمجھا جا رہا ہے اور اس کو چومنا جا رہا ہے، یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے، اسی کو زندہ کیا جا رہا ہے، چراغوں میں ہو رہا ہے، ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔ گانے بجانے ہو رہے ہیں، تفریح بازی ہو رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر میلہ منعقد کیا ہوا ہے۔ یہ دین کو کھیل کود دینے کا ایک بہانہ ہے، جو شیطان نے ہمیں سکھا دیا ہے خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کریں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کریں اور اس کی عظمت اور محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی زندگی کو ان کے راستے پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔

خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں

سیرت طیبہ کے جلسے میں کوئی آدمی اس نیت سے نہیں آتا کہ ہم اس محفل میں اس بات کا حمد کریں گے کہ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف پہلے پچاس کام کیا کرتے تھے تو اب ہم ان کم اس میں سے دس چھوڑ دیں گے، کسی نے اس طرح عہد کیا؟ کسی شخص نے اس طرح عید میلاد النبی منلیٰ؟ کوئی ایک شخص بھی اس کام کے لئے تیار نہیں، لیکن جاؤں نکالنے کے لئے، میلے سجانے کے لئے، محرابیں کھڑی کرنے کے لئے، چراغوں کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، ان کاموں پر جتنا چاہو، روپیہ خرچ کروالو، اور جتنا چاہو، وقت لگوالو، اس لئے کہ ان کاموں میں نفس کو خطرات ہے، لذت آتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا جو اصل راستہ ہے اس میں نفس و شیطان کو لذت نہیں ملتی۔ خدا کے لئے ہم اپنے اس طرز عمل کو ختم کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا حق پچائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین، وَاٰخِرُ حَقْوَانِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے

جس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



مطبوعہ و ترتیب
مؤرخہ عبداللہ بن

مبین اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸ یات آباد کراچی ۱۱

خطاب :	جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
ضبط و ترتیب :	محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت :	۲۱ فروری ۱۹۹۲ بروز جمعہ، بعد نماز عصر
مقام :	جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
کیوزنگ :	پرنٹ ماسٹرز

آج قدریں بدل گئیں، تصورات بدل گئے، اب دنیا کے اندر جو باوقعت ہے، جو لوہے کے مقام اور منصب والا ہے۔ جو روپے پیسے والا ہے، اس کی عزت بھی ہے، اس کا اکرام بھی ہے۔ اس کی طرف توجہ بھی ہے، اور جو شخص دنیاوی اعتبار سے کمزور ہے، اس کے پاس پیسے نہیں ہے، وہ معمولی پیشے والا ہے، نہ تو دل میں اس کی عزت ہے، نہ اس کا احترام ہے۔ نہ اس کی طرف توجہ ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ حقارت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے اس طرز عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے

الحمد لله محمدًا ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونوقل عليه ونعوذ بالله
من شره، انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً
عبداً ورسوله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرا
اما بعد افاغوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، واسمير
نفسك مع الذين يداعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تقف على عثراتهم انهم
آمنتم بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن
على ذلك من الشاهدين۔

یہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرا باب قائم فرمایا ”باب فضل ضعفہ

المسلمین والفقراء والحامین" یعنی کمزور مسلمانوں کی فضیلت کے بیان میں یعنی ایسے مسلمان جو مالی اعتبار سے کمزور، منصب اور عمدہ کے اعتبار سے کمزور، جسمانی اعتبار سے کمزور ہیں، ان کے فضائل کے بیان میں یہ باب قائم فرمایا ہے۔

وہ لوگ کمزور نہیں

اس باب کے قائم کرنے کا مقصد درحقیقت اس بات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ دنیوی اعتبار سے کوئی مقام عطا فرمادیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے پیسے زیادہ دے دیئے۔ یا بڑا منصب دے دیا۔ عمدہ دے دیا۔ یا شہرت دے دی۔ یہ لوگ عام طور پر کمزور قسم کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، اور ان کے ساتھ حقیر آمیز برتاؤ کرتے ہیں، ان کو متنبہ کرنے کے لئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایک آدمی جو بظاہر کمزور نظر آ رہا ہے، چاہے وہ مالی اعتبار سے کمزور ہو۔ یا جسمانی اعتبار سے کمزور ہو۔ اس کے بارے میں یہ خیال مت کرو کہ وہ حقیر ہے، کیا پتہ اللہ جل جلالہ کے یہاں یہ شخص تم سے کہیں زیادہ آگے نکل جائے، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے شروع میں پہلے قرآن کریم کی آیت نقل کی ہے بدی تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَقْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ

اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رو کے رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھیں ان سے تجلوز کر کے دنیوی زندگی کی رونق کی طرف بڑھنے لگیں..... یعنی آپ کہیں نہ سوچیں کہ یہ تو غریب، فقیر اور معمولی قسم کے لوگ ہیں۔ اور معمولی حیثیت کے آدمی ہیں، ان کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ ملحدانوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیں۔

اللہ کے محبوب کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو رابطہ اور تعلق ہے، ان مسلمان اس سے ناواقف ہو گا، اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ سے زیادہ محبوب اس کائنات میں کوئی ہو نہیں سکتا، ایسے محبوب ہیں کہ سدا قرآن کریم آپ کی وصف و ثناء میں آپ کی تعریف میں آپ کے اوصاف کے بیان میں بھرا ہوا ہے، فرمایا کہ:

إِنَّمَا أَنَا مَلَكٌ شَاهِدٌ أَقْبَسُ شَرَّاءَ نَبِيِّنَا وَدَاعِيَا إِذَ اللّٰهُ يَأْذِيهِ
سِدَّاجَاتٍ يَنْبِذُهُ

(سورة الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو الفاظ کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔

محبوبانہ عتاب

لیکن سدا قرآن کریم میں دو باتیں جگہیں ایسی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑا سا محبوبانہ عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کہ آپ کا یہ عمل ہمیں پسند نہیں آیا، ان میں سے ایک ”سورہ عبس“ میں ہے، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے کچھ سردار آئے ہوئے تھے، آپ نے یہ محسوس کیا کہ چونکہ یہ بااثر اور سردار لوگ ہیں، اگر ان کی اصلاح ہو جائے تو ان کے ذریعہ پوری قوم کی اصلاح کا راستہ کھل سکتا ہے، اس لئے آپ کے دل میں ان کو تبلیغ کرنے اور دعوت اسلام دینے کی زیادہ اہمیت پیدا ہو گئی، اس لئے آپ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے، اسی دوران حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا صحابی تھے، جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں موزن بھی مقرر فرمایا تھا، وہ حضور کی خدمت اس وقت آ گئے، اور حضور سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ یہ تو اپنے ہی آدمی ہیں، روزانہ ملاقات ہوتی ہے، اگر ان اس وقت مسئلہ نہ بتایا تو بعد میں بتا دیں گے اس لئے آپ نے ان سے عرض کیا کہ تم

ذرا سا ٹھیر جلو، اور مشرکین کے جو سردار تھے، ان کے ساتھ جنگوں میں مشغول رہے۔ تاکہ ان کو اسلام کی توفیق ہو جائے، اس لئے کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں گے تو پوری قوم کے مسلمان ہونے کا راستہ کھل جائے گا۔ بس اتنا ہی واقعہ پیش آیا، لیکن اللہ جل جلالہ نے اس پر بھی تبیہ فرمائی، اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

”عَبَسَ تَوَلَّى (۱) تَجَاوَزَ لَأَعْنَى (۲)“

ان آیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب کے صیغے سے خطاب فرمایا کہ: انہوں نے تیورن چڑھتی اور منہ موڑا، اس لئے کہ ان کے پاس ایک عیینا شخص آئینا (گویا کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا)

وَمَا يَذْكُرُ لَكُمْ لَعْنَةُ بَدَنِي

أَوْ يَذْكُرُ فَنَنْفَعَهُ الْإِذْكُورِ،

تمہیں کیا پتہ شاید وہ عیینا شخص سنور جاتا۔ اور نصیحت حاصل کر لیتا تو آپ کی نصیحت اس کو فائدہ پہنچا دیتی

أَقَامَنِ اسْتَعْنَى ○ فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ○

جو شخص بے پردائی کرتا ہے (اور طلب لے کر آپ کے پاس نہیں آئے، بلکہ دین حق کی طرف سے استغناء کا اہملہ کرتے ہیں) آپ ان کی فکر میں پڑتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْكَ أَنْ لَا يَذْكُرُ

حلاں کہ (یاد رکھو) اگر وہ ٹھیک نہ ہوں تو آپ پر کوئی وبال نہیں (جب ان کے اندر خود طلب نہیں، بلکہ ان کے اندر استغناء ہے تو پھر آپ پر کوئی گرفت نہیں۔ اور آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا)

وَأَقَامَنِ جَاءَكَ يَسْنَى ○ وَهُوَ يَحْنَى ○

فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى

اور جو شخص دوز کر آپ کے پاس آیا ہے اور دل میں اللہ کا

خوف لئے ہوئے ہے، تو آپ اس سے اعراض کرتے ہیں۔

(سورۃ عبس، ابتدائی آیات)

طالب مقدم ہے

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک محبوبانہ عتاب فرمایا گیا، ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکز یہ فضا نہیں تھا کہ یہ کمزور آدمی ہے، اور وہ طاقتور ہیں، لہذا ان سے اعراض کریں، اور طاقت ور کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ بلکہ آپ کے ذہن میں یہ مصلحت تھی کہ یہ قولنا آدمی ہے، ان سے توبعد میں بھی بات ہو سکتی ہے۔ اور یہ لوگ پتہ نہیں پھر دوبارہ آئیں یا نہ آئیں۔ لہذا ان کو حق کا کلمہ پہنچا دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ شخص جو طلب لے کر آیا ہے وہ اس شخص پر مقدم ہے جو طلب کے بغیر بیٹھا ہے، اور استغناء کا اظہار کرتا ہے، اس کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں، جو طلب لے کر آیا ہے اس کی طرف توجہ کریں۔

ان آیت میں اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ لیکن آپ کے واسطے سے پوری امت کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ بظاہر معمولی حیثیت کے آدمی کو حقیقت میں معمولی مت سمجھو، کیا پتہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا درجہ ہے۔ لہذا اس کے ساتھ عزت و اکرام سے پیش آؤ۔

جنسی کون لوگ ہیں؟

علامہ نوویؒ اس باب میں پہلی حدیث یہ نقل کی ہے کہ :

عن حارثۃ بن وہب رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول : الا اخبرکم باہل الجنة ؟ کل
ضعیف متضعف لواقسم علی اللہ لا یرى ، الا اخبرکم باہل النار ؟
کل عتل جواظ مستکبر۔

(صحیح بخاری، کتب الادب، باب الکبر، حدیث نمبر ۶۰۷۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ پھر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ بھی اس کو کمزور سمجھتے ہیں، یا تو جسمانی اعتبار سے کمزور ہو، یا مالی اعتبار سے کمزور ہو، یا حیثیت اور رتبے کے اعتبار سے کمزور ہو یعنی دنیا والے اس کو کم حیثیت اور کم رتبہ والا سمجھتے ہیں، لیکن وہ کمزور شخص اللہ کے یہاں اتنا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ کے اوپر کوئی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں، یعنی اگر وہ شخص یہ قسم کھالے کہ فلاں کام اس طرح ہو گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام اسی طرح فرما دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی محبت اور قدر کی بنا پر ایسا ہی کر دیتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا، اور جھگڑے میں ایک عورت نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا، اور اسلامی قانون یہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت، جب یہ سزا سنائی گئی تو وہ عورت جس کا قصاص جس میں دانت توڑنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس کے سر پرست نے کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ دیا **وَاللّٰہِ یَعْلَمُ بِالْحَقِّ لَاکْثَرُ** یا رسول اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا، اس کا مقصد ... **مَعْلُوَ اللّٰہُ** ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کرنا نہیں تھا، اور نہ عناد تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ پھر بھروسہ کر کے اس نے کہا کہ حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ انشاء اللہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا چونکہ اس کا جذبہ معاندانہ نہیں تھا، اور نہ آپ کے فیصلے پر اعتراض مقصود تھا۔ اس لئے کہ آپ نے اس کی بات کا برا نہیں ملا۔

جہاں اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ، وہاں اسلام نے یہ بھی رکھا ہے کہ اگر وہ مراء معاف کر دیں، یا صاحب حق معاف کر دے تو پھر قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اور پھر بدلہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جس عورت کا دانت ٹوٹا تھا اس کے دل میں بات آگئی اور اس نے کہا کہ میں معاف کرتی ہوں، اور اس کا دانت نہیں تڑوانا چاہتی۔ چنانچہ اس کے معاف کرنے سے قصاص ختم ہو گیا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ

اللہ کے یہاں بڑے محبوب ہوتے ہیں۔ اور ظاہری حالت ان کی یہ ہوتی ہے کہ ان کے بل پر اگندہ، دیکھنے میں کمزور، اور اگر لوگوں کے دروازے پر جائیں تو لوگ دھکا دے کر نکل دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی ایسی عزت ہوتی ہے کہ اللہ پر اگر کوئی قسم کھائیں تو تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیں۔ اور یہ بھی ایسا شخص ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی کہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کر دی۔ اور دانتوں نے خود ہی معاف کر دیا۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیۃ، حدیث نمبر ۲۷۰۳)

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ایسا شخص جو دیکھنے میں کمزور ہے، اور لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں، لیکن اپنے تقویٰ کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کو ایسا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں، ایسے لوگ جنت والے ہیں۔

جنہی کون لوگ ہیں؟

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اہل جنم کے بدلے میں نہ بتاؤں کہ اہل جنم کون لوگ ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا کہ:

”کل عتل جواظ مستکبر“

ہر وہ شخص جو سخت مزاج ہو، لفظ ”عتل“ کے معنی ہیں، درشت مزاج، اور کھردرا آدمی جو بات کرے تو لٹھ مارے، اور بات کرتے وقت نرمی سے بات نہ کرے، سختی سے بات کرے، غصہ سے بات کرے، اور دوسروں کو حقیر سمجھے، ایسے شخص کو ”عتل“ کہا جاتا ہے، دوسرا لفظ فرمایا ”جواظ“ اس کے معنی ہیں ”نمک چڑھا“ جس کی چوٹیل پر ہر وقت تل پڑے رہتے ہوں، اور معمولی قسم کے آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں، اور کمزور، کم حیثیت اور کم رتبہ آدمی سے بات کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہو، اور ہر وقت اگڑا ہوا، شجی باز ہو۔ تیسرا لفظ فرمایا ”مستکبر“ جو تکبر کرنے والا ہو، اور اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو، اور دوسروں کو چھوٹا سمجھنے والا ہو۔ ان صفات والوں کے بدلے

میں فرمایا کہ جنم والے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ عقل، جواظ اور مستکبر ہیں، اور اپنے کو بڑا سمجھنے والے ہیں۔

یہ بڑی فضیلت والے ہیں

اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ غریب اور مسکین لوگوں کو کم حیثیت اور کم رتبہ سمجھ کر ان کی تعلات دل میں مت لاؤ، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ کے یہاں ان کی بڑی فضیلت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والے صحابہ کرام میں ہر طرح کے لوگ تھے، بلکہ زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جو ملی اعتبار سے بڑی حیثیت نہیں رکھتے تھے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب ملکر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور عثمان غنیؓ بیٹھے ہیں۔ جو بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے، اور دوسری طرف حضرت بلال حبشی، سلمان فدی اور صہب رومی رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہیں۔ جو کبھی دو دو تین تین وقت کے فاقے سے ہوتے تھے۔

یہ فاقہ مست لوگ

چنانچہ ایک دن کفار مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں۔ اور آپ کی بات سننے کو تیار ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کے پاس ہر وقت معمولی قسم کے فاقہ مست لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ اس سے ہماری شان میں فرق آتا ہے۔ اس لئے آپ ان کی مجلس الگ کر دیں اور ہمارے لئے علیحدہ مجلس منعقد کریں۔ اس وقت ہم آپ کے پاس آکر آپ کی باتیں سننے کے لئے تیار ہیں۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی کہ ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا جاتا۔ تاکہ اس وقت میں آکر آپ کی باتیں سن لیتے۔ اور ہو سکتا ہے دین کی باتیں سن کر ان کی اصلاح ہو جائے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو ان کی بات مان بھی لیتا۔ لیکن بات اصول کی تھی۔ اس لئے فوراً قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

وَلَا تَقْرُؤِ الذِّكْرَ يَذْعُونَ سَبْهًا بِالْعَذَابِ وَالْعَشِيَّةِ يَذْعُونَ
وَجْهَهُ.

”اور ان لوگوں کو مت دور کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام

اس کی رضا کا قصد کرتے ہوئے پکارتے ہیں“ (الانعام: ۵۲)

چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ حق کی طلب لے کر آنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے
ساتھ بیٹھنا ہوگا۔ اور اگر نہیں بیٹھنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے۔ اور اللہ کا
رسول تم سے بے نیاز ہے۔ لیکن تمہارے لئے الگ مجلس منعقد نہیں کی جائے گی۔
(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

انبیاء کے متبعین

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا کہ اس وقت کے کفار
نے بھی ان سے یہی کہا کہ:

مَا نَكِدُكَ أَتَّبِعُكَ إِلَّا الَّذِي نَكِدُكَ ذُلٌّ نَزَايَ

(سورۃ ہود: ۲۷)

(ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اتباع انہی لوگوں نے کی ہے، جو ہم میں بالکل رذیل
قسم کے لوگ ہیں، وہ بھی محض سرسری رائے سے) مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کے پیچھے
کس طرح آسکتے ہیں، اس لئے کہ ہم تو بڑے عقل مند اور بڑی شان والے لوگ ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جن کو تم رذیل کہہ رہے ہو، کمزور غریب اور فقیر سمجھ رہے
ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں یہ لوگ بڑے رتبے والے ہیں، لہذا ان کو حقارت کی
نگاہ سے مت دیکھو۔ یہاں اصول کا معاملہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری اہل بیت اور
تمہاری سرداری اور دولت مندی کے بل بوتے پر تمہیں فوقیت دے دی جائے اور یہ وہ
اصول ہے جس پر اللہ اور اللہ کے رسول نے کبھی مصلحت نہیں کی، وہ ہمارے بندے
دیکھنے میں چاہے کتنے کمزور ہوں اور کتنے برے لگتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا
ہمت اونچا مقام ہے۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی کبھی گاؤں سے ایک صاحب آیا کرتے تھے، اور ان کا نام زاہر تھا، اور بالکل سیلہ فام آدمی اور دہلتی تھے، اور روپے پیسے کے اعتبار سے کم حیثیت تھے۔ اور لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی حیثیت اور کوئی وقعت نہیں تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زاہر بازار میں کھڑے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ بازار میں ایک دہلتی، سیلہ فام، کم حیثیت، کم رتبہ والا شخص کھڑا ہو تو اس کی طرف کوئی دھیان کرے گا۔ اور لباس بھی پھٹا پھٹا اس کی طرف کوئی التفات بھی نہ کرے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اس بازار سے گزرے تو سداے بازار والوں کو چھوڑ کر حضرت زاہر کے پاس پیچھے سے تشریف لے گئے۔ اور پیچھے سے کوئی بھر کر اس کی آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی مذاق میں پیچھے سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، جب آپ نے آنکھیں بند کر لیں تو حضرت زاہر اپنے آپ کو چھڑانے لگے کہ معلوم نہیں کس نے آکر پکڑ لیا۔ اور پھر آپ نے اس طرح آواز لگائی جس طرح سلطان پیچھے والا آواز لگاتا ہے کہ

من یشتوی بعد؟
غلام کون خریدے گا؟

اب تک تو حضرت زاہر کو معلوم نہیں تھا کہ مجھے کس نے پکڑ لیا ہے۔ اس لئے چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن جب یہ الفاظ سنے تو فوراً پہچان گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اب اپنے آپ کو چھڑانے کے بجائے اپنی کمر کو زیادہ سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل کرنے لگے۔ اور بیساختہ ان کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ:

یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے غلام بنا کر بیچیں گے تو میری قیمت بہت کم لگے گی۔ اس لئے کہ میری قیمت لگانے والا کوئی بڑی قیمت نہیں لگائے گا اس لئے کہ میری حیثیت تو معمولی ہے۔ سبحان اللہ! یا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

”لکن عند اللہ لت بکاسد“

اے زائر، لوگ تہمدی قیمت کچھ لگائیں یا نہ لگائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تہمدی قیمت کم نہیں۔ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اب دیکھئے کہ سداے بازار میں بڑے بڑے تاجر بیٹھے تجارت کر رہے ہوں گے، اور وہ روپے پیسے والے ہوں گے، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سداے بازار والوں کو چھوڑ کر ان کا دل رکھنے اور بشدت سنانے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح بے تکلف دوست کے ساتھ مہمان پیش آتا ہے۔

(مسند احمد، ج ۳ ص ۱۶۱)

اور سداے عمر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہے کہ
اللھم احیی من مکتنا وامتنی مکتنا واحشرنی فی ذمۃ المساکین
(تہمدی، کتب الزہد، باب ما یلزم من قراء المہاجرین یدخلون الجنۃ قبل ان ینادھم حدیث نمبر
۲۳۵۲)

اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھئے، مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجئے۔
اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمائیے۔

نوکر آپ کی نظر میں

آج قدریں بدل گئیں تصورات بدل گئے، اب دنیا کے اندر جو بلا وقعت ہے۔
اونچے مقام اور منصب والا ہے، روپے پیسے والا ہے تو اس کی عزت بھی ہے اس کا اکرام
بھی ہے۔ اس کی طرف توجہ بھی ہے۔ اور جو شخص دنیوی اعتبار سے کمزور ہے۔ اس کی
عزت دل میں نہیں۔ اس کی طرف توجہ نہیں۔ اس کے ساتھ حدت کا معاملہ کیا جاتا
ہے۔ یاد رکھئے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں بعض لوگات ہم زبان سے تو کہہ دیتے ہیں
کہ:

إِنَّ أَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاتُ

(الحجرات: ۱۳)

جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے۔ اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور معزز ہے۔ لیکن

علماء ہمدان کے ساتھ برتاؤ کیا ہے۔ تہملے گھر میں جو نوکر کام کر رہے ہیں۔ یا تہملے پاس جو فقیر لوگ تہتے ہیں۔ ان کے ساتھ کس طرح بات کرتے ہو؟ ان کا دل ٹھنڈا کرتے ہو؟ یا ان کی فقیر کرتے ہو؟ کیا ان احادیث پر عمل کرتے ہو؟ (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ان کے ساتھ تعلقات آمیز معاملہ کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے آمین۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال، اخنحت الجنة والنار، فقالت النار، فی الجبارون والمتکبرون، اقلت الجنة، فی ضعفاء الناس ومساکینہم، فقضى اللہ بینہما اذک الحجة ورحمتی ارحم بک من اشاء، وانت النار اعد بک من اشاء، وعلیکما علی ملوہا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب اللہ یدخلہا الجبارون، حدیث نمبر ۲۸۳)

جنت اور دوزخ کے درمیان مناظرہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ کے درمیان آپس میں مناظرہ اور مباحثہ ہو گیا کہ دونوں میں سے کون بہتر ہے۔ دوزخ نے کہا کہ میری شکن اونچی ہے۔ اس لئے کہ میرے اندر بڑے بڑے جبار اور متکبر لوگ آکر آباد ہوں گے۔ یعنی جتنے جبار اور متکبر لوگ ہیں۔ بڑے منصب والے، بہت زیادہ مال و دولت والے، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے، بڑا کہنے والے، وہ سب میرے اندر آباد ہو گئے۔ اور اس بات پر اس نے فخر کیا۔ اس کے مقابلے میں جنت نے کہا کہ میرے اندر کمزور اور مسکین قسم کے لوگ آباد ہوں گے، اور جنت نے اس بات پر فخر کیا، پھر ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اور جنت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو جنت ہے اور میری رحمت کا نشان اور علامت اور اس کا مورد ہے۔ تیرے ذریعہ سے میں جس پر چاہوں گا، اپنی رحمت نازل

فرمادوں گا، اور دوزخ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تو دوزخ، ہے جو میرے عذاب کا نشان اور علامت اور اس کا مورد ہے۔ اور تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا، عذاب دوں گا، اور دونوں سے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تم دونوں کو بھروں گا، جنت کو ایسے لوگوں سے بھروں گا جن کے اوپر میری رحمت نازل ہوئی، اور دوزخ کو ایسے لوگوں سے بھروں گا جن کے اوپر میرا عذاب نازل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

جنت اور دوزخ کیسے کلام کریں گی؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان یہ ایک مباحثہ اور منظرہ بیان فرمایا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان واقعی یہ مکالمہ ہوا ہو، کیونکہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ ان دونوں کو زبان عطا فرمادیں، ان کو بولنے کی صلاحیت دے دیں۔ ان کے درمیان آپس میں بات چیت ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ عیب نہیں ہے۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ ایسی چیزیں بول دے گی جس کے پاس زبان نہیں ہے، جنت تو ایک علاقے، زمین اور باغات کا نام ہے۔ اور دوزخ آگ کا نام ہے۔ وہ کیسے بولیں گی؟ تو یہ دیکھئے کہ انسان کیسے بولتا ہے؟ انسان کے پاس بولنے کی قدرت کہاں سے آگئی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی، تب انسان بولنے لگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ دیتے تو انسان کے پاس بولنے کی طاقت کہاں سے آتی، اگر یہ طاقت اللہ تعالیٰ کسی پتھر کو دے دے تو وہ بول پڑے گا۔ اگر کسی درخت کو دے دے تو وہ بول پڑے گا، کسی زمین کو دے دی تو وہ بول پڑے گی۔

قیامت کے روز اعضاء کس طرح بولیں گے؟

حضرت حکیم علامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کہیں سفر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں غنی تعلیم کے دلدادہ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کسی حدیث یا آیت پر یہ شبہ پیش کیا کہ حضرت! قرآن شریف میں آتا ہے کہ

قیامت میں انسان کے اعضاء بولیں گے، قرآن کریم میں ہے کہ یہ اعضاء گواہی دیں گے، ہاتھ گواہی دے گا کہ مجھ سے یہ گنہہ کیا گیا تھا۔ ٹانگ بول پڑے گی کہ میرے ذریعہ سے یہ گنہہ کیا گیا تھا۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ عجیب بات ہے کہ ہاتھ بول پڑے گا، ٹانگ بول پڑے گی، یہ کیسے بول پڑیگی؟ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے، گویائی دے دیں۔ بولنے کی طاقت دے دیں، ان صاحب نے کہا کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم دلیل پوچھ رہے۔ تھے یا نظیر پوچھ رہے تھے؟ یہ ایک منطق کی اصطلاح ہے۔ دلیل تو اتنی بھی کئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، جس کو چاہے گویائی عطا فرما دیں، اور ہر چیز کی نظیر ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی مثال بھی ہو وہ صاحب کہنے لگے ویسے اطمینان کے لئے کوئی نظیر بنا دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ یہ زبان کیسے بولتی ہے؟ چونکہ اس نے پوچھا کہ ہاتھ بغیر زبان کے کیسے بولے گا؟ حضرت نے فرمایا کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ بھی تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہی ہے، اس کے اندر گویائی کی قوت کمال سے آئتی؟ بس اللہ جلہک و تعالیٰ نے عطا فرمادی، تو جو اللہ تعالیٰ اس گوشت کے اس لوتھڑے کو زبان عطا فرما سکتا ہے، وہ ہاتھ کو بھی عطا فرما سکتا ہے۔ اس لئے اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔؟

بہر حال! نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان جو یہ مکالمہ بیان فرمایا، اس کے بالکل ٹھیک ٹھیک حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت دیں دیں، اور ان کے درمیان مکالمہ ہو، تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک تمثیل ہو۔

جہنم متکبرین سے بھر جائیں گی

بہر حال! جہنم جبہ اور متکبر لوگوں سے بھری ہوگی، جو لوگوں پر اپنی بڑائی جتاتے ہیں، اور تکبر کا معاملہ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو خدات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لوگوں کے ساتھ بڑائی جتاتے اور شیخیں بھگاتے ہیں ایسے لوگوں سے جہنم بھری ہوگی۔

جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی

اور جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی، جو بظاہر دیکھنے میں کمزور معلوم ہوں۔ جو متواضع اور مسکین طبع ہوں۔ جو دوسروں کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئیں، تواضع کے ساتھ پیش آئیں۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھیں، ایسے لوگوں سے جنت بھری ہوگی۔

تکبر اللہ کو ناپسند ہے

جنم اللہ تعالیٰ نے متکبرین سے بھردی ہے۔ اس واسطے کہ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں پر اپنی بڑائی جتائے، اپنے آپ کو بڑا سمجھے، اور دوسروں کو چھوٹا سمجھے، اپنے آپ کو عظیم سمجھے، دوسروں کو حقیر سمجھے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر اور بڑائی ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الکبرياء ردائی فمن نازعنی فیہ قد ذنبت فی الناس

(ابو داؤد، کتب اللباس، باب ما جاء فی التکبر، حدیث نمبر ۳۰۹)

بڑائی تو درحقیقت میری چادر ہے، میری صفت ہے، اللہ اکبر، اللہ بڑا ہے جو شخص مجھ سے اس چادر میں جھگڑا کرے گا، میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا۔ حقیقت میں یہ تکبر جنم کی طرف لیجانے والا عمل ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس گناہ سے بچائے۔ آمین۔ اور یہ اتنا شدید گناہ ہے کہ یہ ام الامراض ہے، گناہوں کی چڑ ہے، اس ایک تکبر سے نہ جانے کتنے گناہ نکلتے ہیں، ایک مرتبہ جب انسان کے دل میں تکبر آگیا، اور اپنی بڑائی کا خیال آگیا تو اس کے بعد وہ انسان کو طرح طرح کے گناہوں میں جلا کر دیتا ہے۔

متکبر کی مثال

عربی زبان کی ایک بڑی عجیب اور حکیمانہ مثل ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ متکبر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو، اور وہ بلند ہونے کی وجہ دوسروں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اور دوسرے اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں، تو متکبر جب بسوی وہ

دوسرے پر نگہ ڈالے گا تو اس کے دل میں دوسروں کی حقارت آئے گی۔ اور کسی بھی مومن کے اوپر، مومن تو کجا، کافر کے اوپر بھی حقارت کی نگہ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔ اب جو شخص متکبر ہو گا وہ دوسروں کو حقارت کی نگہ سے دیکھے گا۔ اور جتنے انسانوں کو حقارت کی نگہ سے دیکھے گا، اتنے ہی گناہ کبیرہ اس کے نامہ اعمال میں بڑھتے چلے جائیں گے۔

پھر متکبر جب دوسروں سے بات کرے گا تو ایسے کرخت انداز میں بات کرے گا جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے۔ اور کسی مسلمان کا دل توڑنا بھی گناہ ہے۔

کافر کو بھی حقارت سے مت دیکھو

اور یہ جو میں نے کہا کہ کسی کافر کو بھی حقارت کی نگہ سے مت دیکھو، یہ بھی گناہ ہے۔ اس لئے کہ کیا پتہ کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کافر کو ایمان کی توفیق دے دیں۔ اور وہ تم سے آگے بڑھ جائے۔ لہذا کافر کی حقارت نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ کفر کی حقارت ہونی چاہئے۔ فق اور گناہ کی حقارت تو دل میں ہو، لیکن گناہ گار کی ذات سے حقارت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ فرق کہ کس وقت دل میں گناہ اور کفر کی حقارت ہے، اور کس وقت اس آدمی کی حقارت دل میں ہے جو اس کفر اور گناہ میں مبتلا ہے۔ آدمی کو بسا اوقات اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ چیز بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

حکیم الامتؒ کی تواضع

ہم اور آپ تو کس شمار میں ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صلاب تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

”میں اپنے آپ کو ہر مسلمان سے فی الحال اور کافر سے فی الحال والاحتمال کمتر سمجھتا ہوں۔ یعنی اپنے آپ کو ہر مسلمان سے اس وقت اور کسی کافر کو اس احتمال پر کہ شاید یہ کسی وقت مسلمان ہو جائے۔ اور مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں۔“

”تکبر“ اور ”ایمان“ جمع نہیں ہو سکتے

اور تکبر ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، جب انسان کے دل میں تکبر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔ تو بعض اوقات ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ آخر یہ تکبر ہی تو تھا جو شیطان اور ابلیس کو لے ڈوبا، اس سے کہا گیا کہ سجدہ کر، بس دماغ میں یہ تکبر آگیا کہ میں تو آگ سے بنا ہوا ہوں، اور یہ مٹی سے بنا ہوا ہے، دل میں اس کی حقارت آگئی، اور اپنی بڑائی آگئی۔ سدی عمر کے لئے رائدہ درگاہ اور متروک اور مردود ہو گیا، یہ تکبر اتنی خطرناک چیز ہے۔

”تکبر“ ایک خفیہ مرض ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم اور آپ پر کہیں زیادہ مرید ہیں، وہ اس حدیث کے ذریعہ یہ سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو، تکبر قریب پھٹنے نہ پائے، یہ ایسی بیماری ہے کہ بسا اوقات بیمار کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہوں۔ حقیقت میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں، لیکن حقیقت میں اس کے اندر تکبر ہوتا ہے اس کا پتہ چلانا بھی آسان نہیں، اسی لئے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی اللہ والے سے کسی شیخ کامل سے تعلق قائم کرو۔

پیری مریدی کا مقصد

یہ پیری مریدی کا جو رواج ہے کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تو برکت ہوگی، اور وہ کچھ وظیفے بتا دیں گے تو وظیفہ پڑھ لیں گے، وغیرہ۔ خوب یاد رکھیے۔ کہ یہ اس کا اصل مقصد نہیں ہے۔ کسی شیخ کے پاس جانے یا کسی مصلح کے پاس جانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ جو دل کی بیماریاں ہیں۔ جن میں سرفرست یہ تکبر کی بیماری ہے۔ ان کا علاج کرائیں۔ جیسے بیمار کو پتہ نہیں ہوتا

کہ میں کس بیلری میں جتا ہوں۔ اور پھر اس کا علاج تجویز کرتا ہے، اسی طرح شیخ روحانی بیلریوں کا علاج کرتا ہے۔ اسی شخص کے لئے شیخ سے رجوع کیا جاتا ہے ہاتھ میں ہاتھ دیدار مصلح سے رابطہ قائم کرنے کی ایک صورت ہے۔

روحانی علاج

آج کل ایک معیبت یہ آگئی ہے کہ تعویذ گنڈوں کا نام ”روحانی علاج“ رکھ دیا ہے، تعویذ لکھوائے۔ گنڈے لکھ والئے۔ دم درود کرا لیا۔ بس اس کا نام ”روحانی علاج“ رکھ لیا۔ خوب سمجھ لیجئے۔ یہ روحانی علاج نہیں، بلکہ روحانی علاج یہ ہے کہ اپنے دل کی جو بیلریاں ہیں۔ مثلاً۔ تکبر، حسد، بغض، عدولت وغیرہ جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاج کے لئے کسی شیخ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور شیخ پھر پتہ لگاتا ہے کہ اس کے دل میں تکبر تو نہیں ہے اگر ہے تو اس کا آسان علاج اس شخص کے لئے کیا ہے؟ پھر وہ اپنے تجربہ سے مناسب حل علاج تجویز کرتا ہے۔ اس کی بتائی ہوئی تجویز پر عمل کرنا یہ بیعت کی حقیقت ہے۔

حضرت تھانویؒ کا طریقہ علاج

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے یہاں سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ ان بیلریوں میں جتا لوگ آتے، اور آپ ان کا علاج فرماتے، ان کا علاج بھی کوئی دوا پلا کر نہیں ہوتا تھا۔ وظیفہ پڑھا کر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ عمل سے ہوتا تھا۔ بہت سے لوگوں کا علاج اس طرح کیا گیا کہ ایک تکبر میں جتا شخص آیا، بس اس کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں، تم ان کے جوتے سیدھے کیا کرو، بس اس کام پر لگا دیا، نہ کوئی وظیفہ، نہ کوئی تسبیح، نہ کوئی ورد، اس کو دیکھ کر پہچان لیا کہ اس کے اندر تکبر کی بیلری ہے۔ اور اس کا یہ علاج اس کے لئے مناسب ہوگا۔

تکبر کا راستہ جہنم کی طرف

اللہ تعالیٰ اس بیلری سے ہمیں بچائے۔ غرض یہ بیلری انسان کے قلب کے اندر اس طرح داخل ہوتی ہے کہ بالوقت اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا، وہ تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ٹھیک ٹھاک آدمی ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ تکبر کی بیلری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا سیدھا راستہ جہنم کی طرف جلد رہا ہے، اور ایمان حقیقی تکبر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، اس واسطے اس کے علاج کی فکر کی ضرورت ہے۔ اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

جنت میں ضعفاء اور مساکین کی کثرت

اس حدیث کے دوسرے حصے میں حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوئی ہے، یعنی جن کو تم دنیا کے اندر بے حقیقت سمجھتے ہو، غریب، غریب، فقیر، فقراء، معمولی حیثیت والے۔ معمولی کپڑے پہنے والے، ایسے لوگ جن کی طرف لوگ التفات بھی نہیں کرتے، ایسے لوگ اکثر و بیشتر اللہ جل جلالہ سے قریب ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت اور محبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر بادل ہوتی ہیں۔ اور جنت کے اندر اکثر لوگ ایسے ہوں گے۔

انبیاء کے متبعین اکثر غریاء ہوتے ہیں

قرآن کریم کے اندر انبیاء علیہم السلام کے واقعات دیکھ لیجئے کہ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، ان سب کی اتباع کرنے والے اور پیچھے چلنے والے۔ یہ غریب غریاء اور کمزور مسکین قسم کے لوگ تھے۔ اور یہی وجہ کہ تمام مشرکین یہ اعتراض کرتے تھے ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں؟ ان میں تو کوئی بھی گیر ہے۔ کوئی عجیرا ہے۔ کوئی بڑھی ہے۔ کوئی دوسرا معمولی پیٹھے والا ہے۔ یہ سب آپ کے پاس آکر بیٹھتے ہیں۔ اور ہم تو بڑے سردار ہیں۔ ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں؟ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اوپر فضل فرمایا۔ اور ان کو وہ مقام بخشا کہ دوسرے اس مقام

کو ترستے رہے۔ لہذا ظاہری اعتبار سے جو لوگ کمزور نظر آتے ہیں ان کو کبھی یہ نہ سمجھو کہ معذ اللہ یہ حقیر ہیں۔ ان کی حقیر کبھی دل میں نہ لائے۔ اور ان کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ ایسا نہ کرو۔

ضعفاء اور مساکین کون ہیں؟

اس حدیث میں دوسری بات جو خاص طور پر عرض کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ استعمال فرمائے۔ ایک ”ضعفاء“ اور دوسرے ”مساکین“ ضعفاء کے معنی یہ ہیں کہ جسمانی اعتبار سے کمزور، مالی اعتبار سے کمزور، رتبے کے اعتبار سے کمزور، منصب کے اعتبار سے کمزور، اور لفظ ”مساکین“ جمع ہے ”مسکین“ کی۔ اور ”مسکین“ کے دو معنی آتے ہیں، ایک تو مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں، اور جو مطلق ہو، دوسرے مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس کے حراج میں مسکینی ہو۔ اس کی طبیعت میں مسکینی ہو، چاہے اس کے پاس پیسے ہوں۔ اور وہ ملدار بھی ہو، لیکن طبیعت میں تکبر پاس سے نہیں گزرا، وہ مسکینوں کے ساتھ اہتمام دیتا ہے۔ مسکینوں کو اپنے قریب رکھتا ہے۔ اس کی طبیعت میں عاجزی ہے۔ تکبر کی بات کبھی نہیں کرتا۔ ایسا شخص مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

مسکین اور ملداری جمع ہو سکتے ہیں

لہذا یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ صاحب! اگر کسی کے پاس مل ہے۔ اور وہ خوش حال ہے تو وہ ضرور جنم میں جانے گا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مل دیا ہے۔ دولت عطا فرمائی ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن اگر طبیعت میں مسکینی اور عاجزی ہے۔ تکبر نہیں ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے تو وہ بھی انشاء اللہ مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

فقر اور مسکینی الگ الگ چیزیں ہیں

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اللہم احییٰ مسکیننا وامتی مسکیننا واحشرنی فی زمرة المساکین۔

(ترمذی، کتاب الزمر، باب ما جاء فقرہ المهاجرین یہ ظنون الجنة عمل انفسیہم)

حدیث نمبر ۳۳۵۲

اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھو، اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجئے۔ اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمائیے۔ اور ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اللہم افی اعوذ بک من الفقر

(ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب الاستغاثہ، حدیث نمبر ۱۵۳۴)

اے اللہ! میں فقر سے مفلسی سے اور دوسروں کی احتیاج سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، آپ نے فقر سے تو پناہ مانگی اور مسکینی کی دعا فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ مسکینی کوئی اور چیز ہے۔ یہ فقر وقتہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ مسکینی سے مراد طبیعت کی مسکینی مزاج کی مسکینی قاضی خاکساری اور مسکینوں کے ساتھ اچھا معاملہ وغیرہ ہے۔ اگر یہ خاکساری دلوں میں پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس بشارت میں داخل ہو سکتے ہیں جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

جنت اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

پھر حدیث کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح فیصلہ فرمایا دیا کہ جنت سے تو یہ کہہ دیا کہ تم تو میری رحمت کا نشان ہو، لہذا جس پر مجھے رحمت کرنی ہوگی، تمہارے ذریعے رحمت کروں گا۔ اور جہنم سے فرمادیا کہ تم میرے عذاب کا نشان ہو۔ جس کو عذاب دینا ہو گا۔ تمہارے ذریعے دوں گا، اور دونوں کو بھر کے رہوں گا، جنت کو بھی انسانوں سے بھروں گا اور جہنم کو بھی بھروں گا، اس واسطے کہ دنیا میں دونوں قسم کے انسان پائے جائیں گے، وہ بھی جو جنت کے حقدار ہیں جنت کے اعمال کرنے والے

ہیں، اور وہ بھی جو جنم کے اعمال کرنے والے ہیں۔ بس! اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمادے جن کو اللہ تعالیٰ، جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ آمین ثم آمین۔

ایک بزرگ زندگی بھر نہیں بنے

ایک بزرگ تھے، ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ساری زندگی میں ساری عمر میں کبھی نہیں بنے، ان کے منہ پر کبھی تبسم بھی نہیں دکھایا گیا۔ ہر وقت فکر مند رہتے تھے، کسی شخص نے ان کو چچا کو حضرت! ہم نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ آپ کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نظر آئی۔ آپ بیٹھ فکر مند نظر آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ کچھ مخلوق تو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے، اور کچھ مخلوق ایسی ہے جو جنم کے لئے پیدا فرمائی ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کون سے زمرے میں داخل ہوں۔ جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے کہ میں جنت والے زمرے میں داخل ہوں، اس وقت تک ہنسی کیسے آئے؟ بس اس فکر کے اندر ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔

مومن کی آنکھیں کیسے سو سکتی ہیں کسی بزرگ کا شعر ہے کہ:

وکیف تنام العین وہی قریۃ

ولہ تدرفی ای المحلین تنزل

کہ مومن کی آنکھ اطمینان اور چین سے کیسے سو سکتی ہے، جب تک کہ اس کو یہ پتہ نہ چلے کہ دونوں مقامات میں سے کسی مقام پر اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

روح قبض ہوتے ہی مسکراہٹ آگئی

لہذا ساری عمر ان بزرگ کو ہنسی نہیں آئی، دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ جس وقت انتقال ہوا تو روح قبض ہوتے ہی چہرے پر مسکراہٹ آگئی کہ آج پتہ چل گیا کہ کس

زمرے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔

غفلت کی زندگی بری ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ جن لوگوں کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقام رضا میں ہیں، یا معاذ اللہ۔ مقام غضب میں ہیں۔ ان کو ہنسی کیسے آسکتی ہے۔ لیکن یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہم اور آپ پر کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت ظہری نہیں ہونے دیتے۔ اگر سارے انسانوں پر یہی کیفیت ظہری ہو جائے تو دنیا کا کاروبار ٹھپ ہو جائے۔ دنیا کا کاروبار نہ چل سکے، اس واسطے یہ کیفیت ظہری نہیں ہونے دیتے۔ لیکن حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا بجا احادیث میں متنبہ فرماتے رہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غفلت میں مبتلا ہو جاؤ، اور ساری عمر یہ خیال نہ آئے کہ کمال جا رہے ہو۔ جنت کی طرف جا رہے ہو یا جہنم کی طرف جا رہے ہو، بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھ لو کہ جس راستے پر تم جا رہے ہو وہ جنت کی طرف جانے والا ہے یا جہنم کی طرف جانے والا ہے، اور اپنے اعمال پر نظر رکھو کہ ہم کو نئے اعمال کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس مخلوق میں شامل فرادے جو اس نے جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے..... آمین.....

ظاہری صحت و قوت، حسن و جمل پر مت اتراؤ

اگلی حدیث ہے کہ:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم قال: انہ لیا فی الرجل العظیم السین یوم القیامۃ ثلاث

عند اللہ جاح بوضۃ۔

(صحیح بخاری، کتب تفسیر سورۃ الکہف، باب اولئک الذین کفروا، حدیث نمبر ۲۸۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص لایا جائے گا جو جسمانی اعتبار سے بڑا مونا تازہ ہو گا اور بڑے مرتبے والا ہو گا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن ایک پتھر کے پر

کے برابر بھی نہیں ہو گا..... یہ ساری دنیاوی عظمت اور یہ جسمانی صحت اور جسمانی حسن یہ سب دھوا رہ گیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس شخص نے بلوغ صحت و طاقت کے لئے اللہ جل جلالہ کو راضی کرنے والے کام نہیں کئے، اس لئے اللہ کے نزدیک ایک مجھڑ کے پر کے برابر بھی اس کی حیثیت نہیں۔

اس حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ اپنے ظاہری حسن و جمل پر اپنی صحت پر، اپنی قوت پر اپنے مرتبے پر اپنے بل و دولت پر کبھی نہ اترو، ہو سکتا ہے کہ یہ بل و دولت، یہ مرتبہ، یہ صحت و قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھڑ کے پر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہو، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اعمال کیسے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل رہے ہو یا نہیں۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے والی خاتون

وَعنه رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ امْرَاةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقْدُمُ الْمَسْجِدَ اَوْثَابًا
فَقُلْتُ مَا اَوْفَقْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهَا عَنْهَا اَوْعنه،
فَقَالَا: مَا، قَالَ: اِنَّهَا كُنْتُ اَذْنَتُوني بِهِ. فَانْهَرُ صَغِيرًا امْرَا
اَوْ امْرَا. فَقَالَ: دَلُونِي عَلَى قَبْرِهٖ، فَدَلُّوهُ فَضَلُّوا عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ
هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى اَهْلِهَا وَاَنْ يَنْزِلَ اِلَيْهِمْ بِمِلَاقٍ
عَلَيْهِمْ۔

(صحیح بخاری، کتب البرکات، باب الصلاة علی القبر بعد الملائک، حدیث نمبر ۱۳۳۳)

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ میں نے فرمایا ہے میں نے فرماتے ہیں کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خاتون تھیں۔ جو کبھی کبھی مسجد نبوی میں آکر جھاڑو یا کرتی تھیں، اور وہ خاتون سیاہ تھیں، لیکن وہ خاتون چند روز

تک آپ کو نظر نہیں آئیں۔ اور مسجد نبوی کی جھاڑو اور صفی کے لئے نہ آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے بدلے میں صحابہ کرام سے پوچھا کہ کا کافئہ دن سے وہ خاتون نظر نہیں آ رہی ہیں، اور مسجد کی جھاڑو لگانے نہیں آ رہی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک فرد کے ساتھ کس درجہ کا تعلق تھا۔ وہ خاتون آئیں جھاڑو لگا کر چلی جاتیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ اور یادداشت میں وہ محفوظ تھیں، اس لئے صحابہ کرام سے آپ نے پوچھا کہ کیوں نہیں آئیں، کیا بات ہے؟ صحابہ کرام سے عرض کیا! یا رسول اللہ! ان کا تو انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے انتقال کے بدلے میں آپ نے مجھے بتایا تک نہیں تو صحابہ کرام سے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن، اندازہ لگایا تھا فرمایا جس سے یہ بتانا مقصود ہو کہ حضور! وہ تو ایک معمولی قسم کی خاتون تھیں، اگر انتقال ہو گیا تو اتنی بڑی اہم بات نہیں تھی کہ آپ جیسی ہستی کو اس کے بدلے میں بتایا جاتا..... تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بتو کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ کس جگہ ان کو دفن کیا ہے؟ آپ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اور جا کر بن کی قبر پر نمازِ جنتہ پڑھی.....

قبر پر نمازِ جنتہ کا حکم

عام طور سے نمازِ جنتہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کی نمازِ جنتہ پڑھ لی گئی ہو تو اس کے بعد قبر پر نمازِ جنتہ پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر کسی کو نمازِ جنتہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تب بھی شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک میت کے پھولنے پھٹنے کا احتمال نہ ہو اس وقت تک تو اس کی قبر پر نمازِ جنتہ پڑھ سکتے ہیں، اگر اندازہ ہو کہ اتنے دن گزرنے کی وجہ سے لاش پھول پھٹ گئی ہوگی تو اس کے بعد قبر پر نمازِ جنتہ نہیں پڑھی جائے گی۔

قبریں اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں

لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مخلوق کی خصوصیت کے طور پر، اس کے امتیاز کے طور پر اور صحابہ کرام کو جتانے کے لئے آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نمازِ جنازہ پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ قبریں ظلمتوں اور اندھیروں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ میری نماز کی برکت سے ان قبروں میں نور پیدا فرمادیے ہیں۔

کسی کو حقیر مت سمجھو

یہ عمل آپ نے سب بات پر حبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ کسی بھی شخص کو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، وہ اگر دنیاوی اعتبار سے معمولی رتبے کا ہے، اس کو یہ نہ سمجھو کہ یہ حقیقت میں بھی معمولی رتبے کا ہے اس کو اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ پتہ نہیں کہ وہ اللہ جل شانہ کے نزدیک کیا مقام رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہو،

ہریشہ گلیں میر کر غالبست

شاید کہ چنگ خندہ باشد

لہذا کسی بھی انسان کو معمولی حیثیت میں دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ ایک بے حقیقت انسان ہے، کیا پتہ کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کتنا مقبول ہے۔

یہ پراگندہ بل والے

وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رب اشعث مذفوع بالابواب لواقسم
عز الله لا بدء -

(صحیح مسلم، کتاب طہر والصلۃ، باب فضل الوضوء والمطہن، حدیث نمبر ۳۱۳۲)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے ایسے لوگ جو پراگندہ بل والے ہیں، ان کے بالوں میں کنگھی نہیں کی گئی ہے، اور غبارِ آلود جسم اور چہرہ والے،

محنت اور مزدوری کر کے کھاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے جسم پر اور چہرہ پر گرد کی تہہ جمی ہوئی ہے اور یہ لوگ اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو لوگ ان کو دھکا دے کر ان کو نکال دیں۔ یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے تو بے حقیقت ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں ان کی یہ قدر قیمت ہوتی ہے کہ اگر اللہ جل جلالہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پوری کر دیں۔ یعنی اگر یہ لوگ قسم کھا کر کہہ دیں کہ فلاں کام ہو گا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ وہی کام کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ یہ کام نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام روک دیتے ہیں۔

غریب کے ساتھ ہمدردی

ان تمام حدثوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ظاہری اعتبار سے کسی انسان کو دیکھ کر اس کو معمولی اور بے حقیقت نہ سمجھو۔ زبان سے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک امیر غریب برابر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں غریب کی بڑی قیمت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہم ان کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، کیا اس وقت واقعی یہ باتیں ہمارے ذہن میں رہتی ہیں؟ اپنے نوکریوں کے ساتھ، اپنی خلوں کے ساتھ، اپنے مانتوں کے ساتھ، اور دنیا میں جو غریب غریب نظر آتے ہیں، ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ حقیقت ہمارے ذہن میں رہتی ہے یا نہیں؟ ہوتا یہ ہے کہ زبان سے تو میں تقریر کر لوں گا۔ اور آپ تقریر سن لیں گے۔ لیکن جب کرنے کا معاملہ آتا ہے تو اس وقت سب بھول جاتیں گے۔

حضرت تھانویؒ کا اپنے خادم کے ساتھ برتاؤ

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان خدائے کو مد نظر رکھنے کی توفیق دیتے ہیں، ان کا قصہ سن لیجئے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے بھائی نیاز، خلیفہ میں آئے جانے والے تمام حضرات انہیں ”بھائی نیاز“ کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خاص منہ چڑھے خادم تھے، اور چونکہ حضرتؒ کی خدمت کرتے تھے

اور حضرت والا کہ محبت بھی حاصل تھی، تو ایسے لوگوں میں کبھی باز بھی پیدا ہو جاتا ہے۔
تھے تو "نیاز" لیکن تمہارا سا "بڑ" بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے خلفہ میں آنے جانے
والوں سے کبھی عجیبے ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضرت والا سے
بھائی نیاز کی شکایت کی حضرت یہ لوگوں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے ہیں، اور مجھے بھی انہوں
نے برا بھلا کہا ہے، چونکہ حضرت والا کو پہلے بھی ان کی کئی شکایتیں پہنچ چکی تھیں، اس لئے
حضرت والا کو بہت تکلیف ہوئی کہ یہ دوسروں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں حضرت والا
نے ان کو بلایا، اور ڈانٹ کر فرمایا کہ میں نیاز! یہ تم کیا ہر آدمی سے لڑتے جھگڑتے
پھرتے ہو، انہوں نے سن کر چھوٹے ہی جوب میں کہا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے
ڈرو۔ اب یہ الفاظ ایک نوکر اپنے آقا سے کہہ رہا ہے۔ آقا بھی کون سے حکیم لامست
حضرت تھاموی"۔ حقیقت میں ان کا مقصد بھی یہ نہیں تھا کہ حضرت! آپ جھوٹ نہ
بولیں۔ بلکہ اصل میں ان کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے آپ تک شکایت پہنچائی ہے،
انہوں نے جھوٹی شکایت پہنچائی ہے۔ ان کو چاہئے کہ جھوٹ نہ بولیں، اللہ سے ڈریں۔
لیکن جذبات میں بے اختیار لفظ زبان سے یہ نکلا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو۔
اب دیکھئے کہ اگر ایک آقا اپنے نوکر کو ڈانٹ رہا ہو۔ اور نوکر یہ کہہ دے کہ جھوٹ نہ بولو
تو اور زیادہ غصہ آئے گا اور زیادہ اشتعال پیدا ہو گا۔ لیکن یہ حضرت حکیم لامست تھے،
ادھر ہر انہوں نے کہا کہ جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو، ادھر حضرت والا نے فوراً گردن
جھکا اور فرمایا استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ،

کلان وقافاً عند حدود اللہ

اور پھر بعد فرمایا میں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، وہ یہ کہ میں نے ایک طرف بات سن
کر ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا، اور حلالک شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی ایک بات کی سن کر فوراً
فیصلہ نہ کریں، جب تک دوسری طرف کی بات بھی نہ سن لیں، پہلے مجھے من سے پوچھنا
چاہئے تھا کہ کیا قصہ ہوا؟ وہ اپنا موقف پہلے بیان کرتا، پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کرتے،
لیکن میں نے پہلے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تو غلطی مجھ سے ہوئی، اور جب اس نے کہا کہ
اللہ سے ڈرو تو میں نے منہ کی طرف رجوع کیا معلوم ہوا کہ واقعہ مجھ سے غلطی ہوئی، اور

میں نے استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے بدلے کما گیا کہ :

کَانَ وَقَافًا عِنْدَ حَدِّ دَارِ اللَّهِ

اللہ کے حدود کے آگے رک جانے والے۔ بھائی نوکروں کے ساتھ اور
خادموں کے ساتھ اور اپنے مانتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور اچھا برتاؤں کرنا
چاہئے، ان کے ساتھ کسی وقت حقیر کا معاملہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے
محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

جنت اور دوزخ میں جانے والے

”وَمَنْ اسَامَاةٌ وَضَعَتْهُ عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَت

عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَاِذَا اسَامَاةٌ مِنْ دَخَلَهَا السَّكِينُ وَاصْحَابُ الْعَبْدِ

مَجْبُورِينَ غَيْرِ اصْحَابِ النَّارِ قَدْ امْرَبَهُمْ إِلَى النَّارِ، وَقَدْ هَلَى

بَابِ النَّارِ، فَاِذَا اسَامَاةٌ مِنْ دَخَلَهَا النَّارُ“

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا تَنْتَوِي طَرَفَاتِي بَيْتِ زَوْجِي مَاذَا لَا يَلَانِي، حدیث نمبر ۵۱۹۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چہیتے
صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے
بیٹے ہیں، گویا کہ یہ منہ بولے پوتے ہیں، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا..... یہ شاید سراج کا وقت ہوگا،
کیونکہ سراج کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ دونوں کی سیر کر لینی تھی،
یا کسی اور موقع پر عالم رعبت یا عالم کشف میں ایسا ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں
نے دیکھا کہ اکثر لوگ جو مجھے جنت میں نظر آئے، وہ مسکین قسم کے لوگ تھے، اور میں
نے دیکھا کہ دنیا میں جن کو خوش بخت شمار کیا جاتا تھا کہ بڑے خوش حال ہیں، بڑے
صاحب منصب ہیں، اور دولت مند ہیں، جن کو لوگ دنیا میں بڑی قسمت والے سمجھتے
ہیں، وہ سب جنت کے دروازے پر رکے کھڑے ہیں، جیسا کہ ان کو کسی نے روکے رکھا

ہے کہ داخل نہیں ہو سکتے، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس لئے رکے کھڑے تھے کہ وہ جنت میں داخل ہونے کے لائق تھے، لیکن حساب و کتب اتنا لمبا چڑھا تھا کہ جب تک اس حساب کتب کو صاف نہ کریں، اس وقت تک جنت میں داخلے کی اجازت نہیں، اس لئے وہ دروازے پر کھڑے ہیں..... اور ان میں جو جہنم والے تھے ان کے بارے میں حکم ہو گیا تھا کہ ان کو جہنم میں لے جایا جائے اور جہنم کے دروازے پر میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو اکثر اس میں داخل ہونے والی عورتیں ہیں، عورتوں کی تعداد جہنم کے اندر زیادہ نظر آئی۔

مساکین جنت میں ہوں گے

اس حدیث میں دو حصے بیان فرمائے، ایک یہ کہ جنت میں اکثر و بیشتر داخل ہونے والے لوگ مساکین نظر آئے، اس کی تفصیل پیچھے بھی آچکی ہے، اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ ضروری نہیں مساکین سے مفلس اور فقیر مراد ہوں، بلکہ وہ لوگ جو طبیعت کے اعتبار سے مسکین ہیں، وہ بھی انشاء اللہ اللہ کی رحمت سے مسکین لے اندر داخل ہیں۔

عورتیں دوزخ میں زیادہ کیوں ہوں گی

دوسرا حصہ یہ ہے کہ جہنم میں جو اکثر آبادی نظر آئی وہ عورتوں کی نظر آئی۔ ایک دوسری حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کر کے فرمایا:

انی اُمایتکن اکثر اهل النار

(مسند احمد ج ۲ ص ۶۷)

مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کے اکثر باشندے تم ہو، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت بحیثیت عورت ہونے کے جہنم کی زیادہ مستحق ہے۔ بلکہ دوسری حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرمائی وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کہ جہنم کی آبادی میں اکثر حصہ عورتوں کا

ہے۔ تو خواتین نے عرض کیا کہ: ہم یا رسول اللہ؟ اس کی کوجہ ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی؟ آپ نے اس کی دو وجہیں بنیادی طور پر بیان فرمائیں وہ یہ کہ ”تکثرن العین و تکثرن العشیر“ دو خرابیاں خواتین کے اندر ایسی ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں، جو عورت ان سے بچ جائے گی وہ انشاء اللہ جہنم سے بھی بچ جائے گی۔ پہلی وجہ بیان فرمائی کہ ”تکثرن اللعن“ کہ لعن طعن بست کرتی ہو، یعنی ایک دوسری کو لعنت دینے کا رواج تمہارے اندر بست زیادہ ہے۔ معمولی معمولی بات پر کسی کو بد دعا دے دی کسی کو کو سنا دے دیا کسی کو برا بھلا کہہ دیا اور طعن دینا بھی بست ہے۔ طعن اس بات کو کہتے ہیں کہ ایسا جملہ بول دیا جس سے دوسرے کے جسم میں آگے لگ گئی اس کا دل ٹوٹ گیا اس کے نتیجے میں دوسرے کو پریشان کر دیا اور یہ مشاہدہ ہے کہ اس میں خواتین بست جھلا ہوتی ہیں۔

شوہر کی ناشکری

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ ”تکثرن العشیر“ یعنی تم شوہر کی ناشکری بست کرتی ہو یعنی اگر کوئی بچہ شریف سیدھا شوہر وہ جان مل اور محنت خرچ کر کے تمہیں راضی کرنے کی فکر کر رہا ہے، لیکن تمہاری زبان پر شکوکا کلہ مشکل ہی سے آتا ہے بلکہ ناشکری کے کلمات زبان سے نکلتی ہو۔ یہ دو سبب ہیں جن کی وجہ تم جہنم میں زیادہ جاؤ گی۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

ناشکری کفر ہے

ناشکری یوں تو ہر حالت میں بری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے، اور اس کی ناپسندیدگی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ عربی زبان اور شریعت کی اصطلاح میں ”ناشکری“ کا ہم ”کفر“ ہے اس لئے ”کفر“ جس سے ”کافر“ بنا ہے، اس کے اصلی معنی ہیں ”ناشکری“ اور کافر کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر اہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی نعمتوں سے نوازا، اس کو پیدا کیا اس کی پرورش کی، اس پر نعمتوں کی بارش فرمائی اور وہ ناشکری کر کے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرا دیتا

ہے۔ یا ایسی محسن ذات کے وجود کا انکار کرتا ہے اس لئے یہ اتنی خطرناک چیز ہے۔

شوہر کے آگے سجدہ

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں دنیا میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرے، لیکن سجدہ چونکہ کسی اور کے لئے حلال نہیں اس لئے یہ حکم نہیں دیتا۔ مگر یہ مقصود ہے کہ یہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت کرے اور اس کی ناشکری نہ کرے اور جب وہ اس کی ناشکری کرے گی تو وہ در حقیقت اللہ کی ناشکری ہوگی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو شوہر کی ناشکری اتنی نا پسند ہے کہ خواتین کو بتلاد یا کہ اس کی وجہ سے تم جہنم میں جاؤ گی یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

(ابوداؤد، کتب المکمل، باب فی حق النواج علی المرأة، حدیث نمبر ۲۱۴۰)

جہنم سے بچنے کے دو گر

اللہ تعالیٰ نے شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق رکھے ہیں اور بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق رکھے ہیں خاص طور سے ہماری بہنوں کے لئے بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باکھدہ اہتمام کر کے خواتین کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تمہارے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ دو باتیں ہیں ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اللہ تعالیٰ کے دین کا رخصتاس ہو گا اور اپنی امت کے افراد کا رخصتاس ہو گا؟ آپ سے زیادہ کوئی مرض کو پہچانے والا نہیں ہو سکتا۔ اور مرض کی تشخیص کرنے والا اور علاج بتانے والا نہیں ہو سکتا۔ تو عورتوں کو جہنم سے بچانے کے لئے آپ نے دو گر بتادیئے ایک یہ کہ لعن طعن نہ کرو، اور دوسرے شوہر کی ناشکری نہ کرو۔

اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں

حدیث شریف میں یہاں تک فرمایا کہ اگر شوہر عورت کو بستر پر بلائے اور وہ نہ جائے یا فرمایا کہ اگر عورت ایک رات اس طرح گزیرے کہ اس کا شوہر اس سے خفا ہوا اس کے حقوق اس عورت نے ادا نہ کئے ہوں ساری رات فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں اتنی خطرناک وعید حضور قدس صلی اللہ وسلم نے بیان فرمائی۔

زبان پر قابو رکھیں

اس وقت یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ جو فرمایا جا رہا ہے کہ عورتوں کی تعداد جنم میں مردوں کے نسبت زیادہ ہوگی، آج کل یہ عورتوں کے حقوق کا بڑا چرچہ ہے اور یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ عورت کو نہ بہت نچلا مقام دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جنم میں بھی عورتیں زیادہ بھردی گئیں لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ وہ عورتیں جنم میں اس لئے نہیں بھری گئیں کہ وہ عورتیں ہیں بلکہ اس لئے بھردی گئیں کہ ان کے اندر بد اعمالیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ خاص طور پر زبان ان کو جنم میں لے جانے والی ہے، حدیث شریف میں حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو جنم میں لوندا حاکم رانے والی چیز اس کی زبان ہے اور عام طور پر جب یہ زبان قابو میں نہیں ہوتی تو اس سے بے شمار گناہ سرزد ہو جاتے ہیں تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ مرد کی زبان پھر بھی کچھ قابو میں ہوتی ہے۔ اور خواتین زبان کو قابو میں رکھنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتیں۔ اس کے نتیجے میں یہ فساد پیدا ہوتا ہے خدا کے لئے اپنی زبانوں کو احتیاط سے استعمال کرنے کی کوشش کریں کہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکلیں جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے، اور خاص طور پر شوہر، جس کا دل رکھنا اللہ تعالیٰ نے بیوی کے فرائض میں شامل فرمایا ہے، لہذا یہ جو کہا گیا ہے کہ جنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زبردستی جنم میں عورتوں کی تعداد بڑھا دی گئی ہے بلکہ وہ تو درحقیقت ان اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو ان اعمال سے بچائیں۔ اور اگر یہ خود اہتمام سے بچنے کی کوشش کریں تو انشاء اللہ ضرور بچ جائیں گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنت کی خواتین کی سردار بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاتون کو بنایا ہے۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اللہ تعالیٰ نے خواتین کو جنت کا مستحق بھی قرار

دیا۔ لیکن سدا مدار ان اعمال پر ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

دوسری ایک بات اور سمجھ لیں جو اسی حدیث سے نکلتی ہے وہ یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ عبادت کم کرتی ہیں یہ نہیں فرمایا کہ نفلیں کم پڑھتی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تلاوت کم کرتی ہیں وظیفے کم کرتی ہیں۔ بلکہ سبب کے اندر جو دو باتیں تھیں لعنت اور شوہر کی ناشکری ان دونوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے اس سے نفلی عبادت کے مقابلے میں حقوق العباد کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اپنی رحمت سے ان تمام حقوق کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیرہ خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ آمین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نفس کی کش مکش

جس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



منیبت و ترتیب
محمد عبد اللہ عثمان

میعین اسلامک پبلیشرز

۱/۱۸۸ ریاست کراچی

خطاب : حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
 ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
 تاریخ و وقت : ۱۰ مئی ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر۔
 مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال۔ کراچی
 کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

اہل نفس دنیاوی لذتوں کا عادی ہو چکا ہے، جس کام میں اس کو لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اس کی طرف یہ دوڑتا ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہم چھوڑ دے۔ اس کی ہر بات ماننا جائے، اور لذت کے حصول کا جو بھی تقاضہ پیدا ہو، اس پر عمل کرتا جائے تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان، انسان نہیں رہتا ہے، بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

نفس کی کش مکش

الحمد لله حمدًا ونستعينه ونستغفر ونؤمن به ونوكل عليه ونعوذ بالله
من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي
له ونشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ونبينا وولانا محمدًا
عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا
اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، وَالَّذِينَ
جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ،

(سورة العنكبوت: ۶۹)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على
ذلك من الشاهدين والساكرين، والحمد لله رب العالمين۔

”مجاہدے“ کا مطلب

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے ”باب فی المجاہدۃ“ ”مجاہدہ“ کے لفظی معنی ہیں ”کوشش کرنا، محنت کرنا“، ”جماد“ بھی اسی سے نکلا ہے، اس لئے کہ عربی زبان میں ”جماد“ کے معنی لڑنے کے نہیں ہیں، بلکہ محنت اور کوشش کرنے کے ہیں، اور لفظ ”مجاہدہ“ کے معنی بھی یہی ہیں، یعنی ”کوشش کرنا“ اور قرآن و سنت اور صوفیاء کی اصطلاح میں ”مجاہدہ“ اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے ائمل درست ہو جائیں، اس کے اخلاق درست ہو جائیں، اور گناہوں سے بچ جائے، اور اپنے نفس کو غلط سمت میں جانے سے بچائے، اس کا نام ”مجاہدہ“ ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المجاہد من جاہد نفسه

(ترمذی، فضائل المجاہد، باب المجاہد فی فضل نہایت مرابطاً، حدیث نمبر ۱۶۲۱)

فرمایا کہ اصلی ”مجاہد“ وہ ہے جو اپنے نفس سے جماد کرے، لڑائی کے میدان دشمن سے لڑنا بھی ”جماد“ ہے، لیکن اصلی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اس طرح جماد کرے کہ نفس کی خواہشات، نفس کی آرزوئیں، نفس کے تقاضے ایک طرف ہلا رہے ہیں اور انسان نفس کے ان تقاضوں اور آرزوئیں کو پامال کر کے دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کا نام ”مجاہدہ“ ہے، لہذا جو شخص بھی اپنی اصلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اللہ جل شانہ کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو اس کو ”مجاہدہ“ کرنا ہی پڑتا ہے یعنی اپنے نفس کی مخالفت کرنا اور نفسانی خواہشات کے خلاف زبردستی کر کے محنت کر کے کوشش کر کے کڑوا گھونٹ پی کر عمل کرنا، اور کسی طرح اپنے نفس کی خواہشات کو دبا کر اور کچل کر اس کی خلاف ورزی کرنا، اس کا نام ”مجاہدہ“ ہے۔

انسان کا نفس، لذتوں کا خوگر ہے

ہمارا اور آپ کا نفس یعنی وہ قوت جو انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف ابھارتی ہے، وہ نفس دنیاوی لذتوں کا عادی بنا ہوا ہے، لہذا جس کام میں اس کو ظاہری لذت اور مزہ آتا ہے۔ اس کی طرف یہ دوڑتا ہے، یہ اس کی جبلت اور خصلت ہے کہ اپنے کاموں کی

طرف انسان کو مائل کرے، یہ انسان سے کہتا ہے کہ یہ کام کر لو تو مزہ آجائے گا۔ یہ کام کر لو تو لذت حاصل ہو جائے گی، لہذا یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے، اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہل چھوڑ دے، اور جو بھی لذت کے حصول کا تقاضہ پیدا ہو، اس پر عمل کرتا جائے، اور نفس کی ہر بات ماننا جائے، تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان انسان نہیں رہتا، بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

خواہشات نفسانی میں سکون نہیں

نفسانی خواہشات کا اصول یہ ہے کہ اگر ان کی پیروی کرتے جاؤ گے، اور ان کے پیچھے چلتے جاؤ گے، اور اس کی باتیں مانتے جاؤ گے، تو پھر کسی حد پر جا کر قمر نہیں آئے گا، انسان کا نفس کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اب ساری خواہشات پوری ہو گئیں، اب مجھے کچھ نہیں چاہیے، یہ کبھی زندگی بھر نہیں ہو گا، اس لئے کہ کسی انسان کی ساری خواہشات اس زندگی میں پوری نہیں ہو سکتیں، اور اس کے ذریعہ کبھی قرار اور سکون نصیب نہیں ہو گا، یہ قاعدہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نفس کے ہر تقاضے پر عمل کرتا جاؤں، اور ہر خواہش پوری کرتا جاؤں تو کبھی اس شخص کو قمر نہیں آئے گا، کیوں؟ اس لئے کہ اس نفس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک لطف اٹھانے کے بعد فوراً ایک مرتبہ لذت حاصل کر لینے کے بعد یہ فوراً دوسری لذت کی طرف بڑھتا ہے، لہذا اگر تم چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل چل کر سکون حاصل کر لیں، تو ساری عمر کبھی سکون نہیں ملے گا تجربہ کر کے دیکھ لو۔

لطف اور لذت کی کوئی حد نہیں ہے

آج جن کو ترقی یافتہ اقوام کہا جاتا ہے انہوں نے یہ ہی کہا ہے کہ انسان کی پراسٹیٹ زندگی میں کوئی دخل اندازی نہ کرو، جس کی مرض میں جو کچھ آ رہا ہے، وہ اس کو کرنے دو، اور جس شخص کو جس کام میں مزہ آ رہا ہے، وہ اسے کرنے دو، نہ اس کا ہاتھ روکو اور نہ اس پر کوئی پابندی لگاو، اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو،

چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج انسان کو لطف حاصل کرنے اور مزہ حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، نہ قانون کی رکاوٹ نہ مذہب کی رکاوٹ، نہ اخلاق کی رکاوٹ، نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے، کوئی پابندی نہیں ہے، اور ہر شخص وہ کام کر رہا ہے جو اس کی مرضی میں آ رہا ہے اور اگر اس شخص سے کوئی پوچھے کہ کیا تمہارا مقصد حاصل ہو گیا؟ تم جتنا لطف اس دنیا سے حاصل کرنا چاہتے تھے، کیا لطف کی وہ آخری منزل اور مزے کا وہ آخری درجہ تمہیں حاصل ہو گیا، جس کے بعد تمہیں اور کچھ نہیں چاہئے؟ کوئی شخص بھی اس سوال کا "ہاں" میں جواب نہیں دے گا، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھے اور مل جائے، مجھے اور مل جائے، آگے بڑھتا چلا جاؤں، اس لئے کہ ایک خواہش دوسری خواہش کو ابھارتی رہتی ہے۔

علامیہ زنا کاری

مغربی معاشرے میں ایک مرد اور ایک عورت آپس میں ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک دوسرے سے دوسرے سے بڑے تک چلے جائے۔ کوئی رکاوٹ نہیں، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں، حد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ آنکھوں نے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ زنا اس قدر عام ہو جائے گا کہ دنیا میں سب سے نیک شخص وہ ہو گا کہ دو آدمی ایک سڑک کے چوارے پر بدکاری کا ارتکاب کر رہے ہوں گے، وہ شخص اگر ان سے کہے گا کہ اس درخت کی اوٹ میں کر لو، وہ ان کو اس کام سے منع نہیں کرے گا کہ یہ کام برا ہے، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ یہاں سب کے سامنے کرنے کے بجائے اس درخت کی اوٹ میں جا کر کر لو، وہ کہنے والا شخص سب سے نیک آدمی ہو گا، آج وہ زمانہ تقریباً آچکا ہے، آج حکم کھلا بغیر کسی رکاوٹ اور پردے کے یہ کام ہو رہا ہے۔

امریکہ میں "زنا بالجبر" کی کثرت کیوں؟

لہذا اگر کوئی شخص اپنے جنسی جذبات کو تنہا دینے کے لئے حرام طریقہ اختیار

کرنا چاہے، تو اس کے لئے دروازے چوٹ کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ”زنا بالجبر“ کے واقعات جتنے امریکہ میں ہوتے ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہوتے۔ حالانکہ رضا مندی کے ساتھ یہ کام کرنے کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں، جو آدمی جس طرح چاہے، اپنے جذبات کو تسکین دے سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ زنا کر کے دیکھ لیا، اس میں جو مزہ تھا، وہ حاصل کر لیا، لیکن اس کے بعد اس میں بھی قرار نہ آیا تو اب باقاعدہ یہ جذبہ پیدا ہوا کہ یہ کام زبردستی کرو، تاکہ زبردستی کرنے کا جو مزہ ہے وہ بھی حاصل ہو جائے۔ لہذا یہ انسانی خواہشات کسی مرحلے پر جا کر رکتی نہیں ہیں، بلکہ اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں، اور یہ ہوس کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

یہ پیاس بجھنے والی نہیں

آپ نے ایک بیماری کا نام سنا ہو گا جس کو ”جوع البقر“ کہتے ہیں، اس بیماری کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو بھوک لگتی رہتی ہے، جو دل چاہے، کھالے، جتنا چاہے۔ کھالے، مگر بھوک نہیں مٹتی۔ اسی طرح ایک اور بیماری ہے، جس کو ”استقاء“ کہا جاتا ہے اس بیماری میں انسان کو پیاس لگتی رہتی ہے، گھڑے کے گھڑے پی جائے، کنویں بھی ختم کر جائے، مگر پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حل انسان کی خواہشات کا ہے، اگر ان کو قابو نہ کیا جائے، اور ان پر کنٹرول نہ کیا جائے، اور جب تک ان کو شریعت اور اخلاق کے بندھن میں نہ باندھا جائے، اس وقت تک اس کو ”استقاء“ کی بیماری کی طرح لطف و لذت کے کسی بھی مرحلے پر جا کر قرار نصیب نہیں ہوتا، بلکہ لذت کی وہ ہوس بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

تھوڑی سی مشقت برداشت کر لو

اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے مت چلو، ان کا تابع مت کرو، اس لئے کہ یہ تمہیں ہلاکت کے گڑھے میں لے جا کر ڈال دے گی۔ بلکہ اس کو ذرا قابو میں رکھو، اور اسکو کنٹرول کر

کے شریعت کی معقول حدود کے اندر رکھو، اور اگر تم رکھنا چاہو گے تو شروع شروع میں یہ نفس تمہیں ذرا تنگ کرے گا، تکلیف ہوگی، صدمہ ہوگا، دکھ ہوگا، ایک کام کو دل چاہ رہا ہے، مگر اس کو روک رہے ہیں۔ دل چاہ رہا ہے کہ فی وی دیکھیں، اور اس میں جو خراب خراب فلمیں آرہی ہیں، وہ دیکھیں، یہ نفس کا تقاضہ ہو رہا ہے، اب جو آدمی اس کا عادی ہے۔ اس سے کہو کہ اس کو مت دیکھ، اور اس نفسانی تقاضہ پر عمل نہ کر، اگر وہ نہیں دیکھے گا، اور آنکھ کو اس سے روکے گا، تو شروع میں اس کو دقت ہوگی، اور مشقت ہوگی، برا لگے گا، اس لئے کہ وہ دیکھنے کا عادی ہے اس کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا، لطف نہیں آتا۔

یہ نفس کمزور پر شیر ہے

لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی خامیت یہ رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس مشقت اور تکلیف کے باوجود ایک مرتبہ ڈٹ جائے کہ چاہے مشقت ہو، یا تکلیف ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، تب بھی یہ کام نہیں کروں گا، جس دن یہ شخص نفس کے سامنے اس طرح ڈٹ گیا، بس اس دن سے یہ نفسانی خواہش خود بخود ڈھیلی پڑنی شروع ہو جائیگی، یہ نفس اور شیطان کمزور کے اوپر شیریں، جو اسکے سامنے بھیگی ملی بنارہے، اور اسکے تقاضوں پر چلتا رہے، اس کے اوپر یہ چھا جاتا ہے، اور غلب آ جاتا ہے، اور جو شخص ایک مرتبہ پختہ ارادہ کر کے اس کے سامنے ڈٹ گیا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، چاہے کتنا تقاضہ ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، پھر یہ نفس ڈھيلا پڑ جاتا ہے، اور اس کام کے نہ کرنے پر پہلے دن جتنی تکلیف ہوئی تھی، دوسرے دن اس سے کم ہوگی، اور تیسرے دن اس سے کم، اور ہوتے ہوتے وہ تکلیف ایک دن بالکل رفع ہو جائے گی، اور نفس اسکا عادی بن جائے گا۔

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح

علامہ بو صیری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جن کا

”قصیدہ بردہ“ بہت مشہور ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔ اس میں انہوں نے ایک عجیب و غریب حکیمانہ شعر کہا ہے،۔

النفس كالطفل انت تمهلہ شب علی

حب الرضاع وانت تغظمہ یغظمہ

یہ انسان کا نفس ایک چھوٹے بچے کی طرح ہے۔ جو ماں کا دودھ پیتا ہے، اور وہ بچہ دودھ پینے کا عادی بن گیا، اب اگر اس سے دودھ چھڑانے کی کوشش کرو تو وہ بچہ کیا کرے گا؟ روئے گا، چلائے گا، شور کرے گا۔ اب اگر ماں باپ یہ سوچیں کہ دودھ چھڑانے سے بچے کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے، چلو چھوڑو۔ اسے دودھ پینے دو، دودھ پیتا رہے۔ تو علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بچے کو اس طرح دودھ پینے کی حالت میں چھوڑ دیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جو بھن ہو جائے گا، اور اس سے دودھ نہیں چھوٹ پائے گا۔ اس لئے کہ تم اس کی تکلیف، اس کی فریاد اور اس کی چیخ پکار سے ڈر گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے دودھ نہیں چھڑا سکے۔ اب اگر اس کے سامنے روٹی لاتے ہیں۔ تو وہ کتا ہے جس میں تو نہیں کھائے گا۔ میں تو دودھ ہی پیوں گا۔ لیکن دنیا میں کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوں گے جو یہ کہیں کہ چونکہ بچے کو دودھ چھڑانے سے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لئے دودھ نہیں چھڑاتے۔ ماں باپ جانتے ہیں کہ دودھ چھڑانے سے روئے گا، چلائے گا، رات کو نیند نہیں آئے گی۔ خود بھی جاگے گا، ہمیں بھی جاگے گا، لیکن پھر بھی دودھ چھڑاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ بچہ کی بھلائی اسی میں ہے۔ اگر آج اس کو دودھ نہ چھڑایا گیا تو سدی عمر یہ کبھی روٹی کھانے کے لائق نہیں ہو گا۔

اس کو گناہوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ انسان کا نفس بھی بچے کی مانند ہے۔ اس کے منہ کو گنہ لگے ہوئے ہیں۔ گناہوں کا ذائقہ اور اس کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ اگر تم نے اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا کہ چلو کرنے دو، گنہ چھڑانے سے تکلیف ہوگی۔ نظر غلط جگہ پر پڑتی ہے اور اس کو بھانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ زبان کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر جھوٹ بولنا چھوڑیں گے تو بڑی تکلیف ہوگی۔ اور اس زبان کو

مجلسوں کے اندر بیٹھ کر نیت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر اس کو روکیں گے تو بڑی رقت ہوگی۔ نفس ان باتوں کا عادی بن گیا ہے، رشوت لینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اللہ بچائے، سود کھانے کی عادت پڑ گئی۔ اور بہت سے گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے، اور اب ان عادتوں کو چھڑانے سے غصہ کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر نفس کی اس تکلیف سے گھبرا کر اور ڈر کر بیٹھ گئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ساری عمر نہ کبھی سنا چھو نہیں گئے۔ اور نہ قرار ملے گا۔

سکون اللہ کے ذکر میں ہے

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی مغربی میں قرار اور سکون نہیں ہے، ساری دنیا کے اسباب و مسائل جمع کر لئے۔ لیکن اس کے باوجود سکون نصیب نہیں۔ چین نہیں ملتا۔ میں نے آپ کو ابھی مغربی معاشرے کی مثال دی تھی کہ وہاں پیسے کی ریل پیل۔ تعلیم کا معیار بلند، لذت حاصل کرنے کے سارے دروازے چوٹ کھلے ہوئے کہ جس طرح چاہو، لذت حاصل کر لو، لیکن اس کے باوجود یہ حل ہے کہ خواب آور گولیاں کھا کھا کر اس کی مدد سے سو رہے ہیں۔ کیوں! دن میں سکون و قرار نہیں، سکون کیوں نہیں ملتا؟ اس لئے کہ گناہوں میں سکون نہیں تلاش کرتے پھر رہے ہو، یاد رکھو! ان گناہوں اور نافرمانیوں اور مصیبتوں میں سکون نہیں۔ سکون تو صرف ایک چیز میں ہے، اور وہ ہے

بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

(سورۃ الرعد - ۲۸)

اللہ کی یاد میں اطمینان اور سکون ہے، اس واسطے یہ سمجھنا دھوکہ ہے کہ نافرمانیاں کرتے جائیں گے، اور سکون ملتا جائے گا۔ یاد رکھو! زندگی بھر نہیں ملے گا، اس دنیا سے تڑپ تڑپ کر چلو گے، اگر نافرمانوں کو نہ چھوڑا تو سکون کی منزل حاصل نہ ہوگی۔

سکون اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو دیتے ہیں جن کے دل میں اس کی محبت ہو جن کے دل میں اس کی یاد ہو، جن کا دل ان کے ذکر سے آباد ہو۔ ان کے سکون اور اطمینان کو دیکھو کہ ظاہری طور پر پریشان حل بھی ہیں، فخر و غلظت بھی گزر رہے ہیں، لیکن دل کو سکون اور قرار کی نعمت میسر ہے، لہذا اگر دنیا کا بھی سکون حاصل کرنا چاہتے ہو

تو اس نافرمانیوں اور گناہوں کو تو چھوڑنا پڑے گا، اور گناہوں کو چھوڑنے کے لئے ذرا سا مجاہدہ کرنا پڑے گا، نفس کے مقابلے میں ذرا سا ڈنٹا پڑے گا۔

اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا

اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا مِنَّا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا، معاشرے کا، نفس کا شیطان کا اور خواہشات کا تقاضہ چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کیا کرتے ہیں:

”لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ ”ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے“ یہ نہیں کہ دور سے دکھا دیا کہ ”یہ راستہ ہے۔“ بلکہ فرمایا! کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے، لیکن ذرا کوئی قدم تو بوجھائے، ذرا کوئی ارادہ تو کرے۔ ذرا کوئی اپنے اس نفس کے مقابلے میں ایک مرتبہ ڈٹے تو سہی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

لہذا ”مجاہدہ“ اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ڈٹ کر ارادہ کر لے کہ یہ کام نہیں کروں گا، دل پر آرے چل جائیں گے خواہشات پابل ہو جائیں گی، دل و دماغ پر قیامت گزر جائے گی، لیکن یہ گنہہ کا کام نہیں کروں گا، جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہو گیا، اب ہم خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جائیں گے،

اب تو اس دل کو تیرے قاتل بنانا ہے مجھے

اس لئے اصلاح کے راستے میں سب سے پہلا قدم ”مجاہدہ“ ہے اس کا عزم کرنا ہو گا ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامل ہوں
اب تو اس دل کو مٹتا ہے تیرے قتل مجھے

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں، وہ چاہے برباد ہو جائیں، چاہے ان کا خون ہو جائے، اب میں نے توارادہ کر لیا ہے کہ اب تو اس کو مٹتا ہے تیرے قتل مجھے، اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انور کا نزول ہو گا، اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہوگی، اب یہ گنہہ نہیں ہوں گے، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور آدمی اس رملہ پر چل پڑتا ہے۔

یاد رکھو: کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چلا رہا ہے، اور اللہ کی ہدایت کو خاطر چھوڑے جس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن بعد میں اس تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے، اور لطف آنے لگتا ہے، جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نفس کو جو کچل رہا ہوں اور آرزوؤں کو جو خون کر رہا ہوں، یہ اپنے ملک اور خالق کی خاطر کر رہا ہوں، اس میں جو مزہ اور کیف ہے آپ ابھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

ماں یہ تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے؟

ماں کو دیکھئے کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے کہ سخت سردی کا عالم ہے، اور کڑ کڑاتے جاڑے کی رات ہے، لحاف میں لپیٹی ہوئی ہے، اور بچہ پاس پڑا ہے۔ اس حالت میں اس بچے نے پیشاب کر دیا، اب نفس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ گرم گرم بستر چھوڑ کر کہاں جاؤں، یہ تو جاڑے کا موسم ہے، گرم گرم بستر چھوڑ کر جانا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن ماں یہ سوچتی ہے کہ اگر میں نہ گئی تو بچہ گیلا پڑا رہے گا، اسکے کپڑے کھلے ہیں۔ اس طرح گیلا پڑا رہے گا، تو کہیں اس کو بخلا نہ ہو جائے۔ اس کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ وہ بے چاری اپنے نفس کا تقاضہ چھوڑ کر سخت کڑا کے کے جاڑے میں باہر جا کر ٹھنڈے پانی سے اس کے کپڑے دھو رہی ہے، اور اس کے کپڑے بدل رہی ہے، یہ کوئی معمولی مشقت ہے؟ معمولی تکلیف ہے؟ لیکن ماں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اپنے بچے کی فلاح اور اس کی صحت ماں کے

پیش نظر ہے، اس لئے وہ اس سخت جاڑے میں اپنے نفس کے تقاضے کو پاہل کر کے یہ
سداے کلم کر رہی ہے

محبت تکلیف کو ختم کر دیتی ہے

ایک عورت کا کوئی بچہ نہیں ہے، کوئی اولاد نہیں، وہ کہتی ہے بھلائی: کسی طرح
میرا علاج کراؤ، تاکہ بچہ ہو جائے، اولاد ہو جائے، اور اس کے لئے دعائیں کراتی پھرتی
ہے کہ دعا کرو اللہ میں سے مجھے اولاد دے دے، اور اس کے لئے تعویذ، گنڈے اور
خدا جانے کیا کیا کراتی پھر رہی ہے، ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ لرے! تو
کس چکر میں پڑی ہے؟ بچہ پیدا ہو گا تو تجھے بہت سے مشقتیں اٹھانی پڑیں گی، جاڑے
کی راتوں میں اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھوئے ہوں گے، تو وہ عورت جواب
دیتی ہے کہ میرے ایک بچے پر ہزار جاڑوں کی راتیں قربان ہیں، اس لئے کہ اس بچے کی
قدر و قیمت اور اس کے دولت ہونے کا احساس اس کے دل میں ہے، اس واسطے اس
میں کے لئے سداے تکلیفیں راحت بن گئیں، وہ مل جو اللہ سے مانگ رہی ہے
کہ یا اللہ! مجھے اولاد دے دے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اولاد کی جتنی ذمہ داریاں
ہیں، جتنی تکلیفیں ہیں، وہ دے دے، لیکن وہ تکلیفیں اس کی نظر میں تکلیفیں ہی نہیں،
بلکہ وہ راحت ہیں اب جو میں جاڑے کی رات میں اٹھ کر کپڑے دھو رہی ہے اس کو
طبعی طور پر تکلیف تو ضرور ہو رہی ہے، لیکن عقلی طور پر اسے اطمینان ہے میں یہ کام
اپنے بچے کی بھلائی کی خاطر کر رہی ہوں، جب یہ اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت اسے اپنی
آرزوؤں کو کچلنے میں بھی لطف آنے لگتا ہے۔

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں:

از محبت تلخھا شیریں شود

کہ جب محبت پیدا ہو جاتی ہے کڑوی سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی معلوم ہونے
لگتی ہیں، جن کاموں میں تکلیف ہو رہی تھی، محبت کی خاطر ان میں بھی مزہ آنے لگتا
ہے، لطف آنے لگتا ہے کہ میں یہ کام محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں، محبت کی خاطر کر رہا
ہوں۔

مولیٰ کی محبت لیلیٰ سے کم نہ ہو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں محبت کی بڑی عجیب حکایتیں لکھی ہیں، لیلیٰ مجنون کا قصہ لکھا ہے کہ مجنون لیلیٰ کی خاطر کس طرح دیوانہ بنا، اور کیا کیا مشقتیں اٹھائیں، دودھ کی نر نکالنے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا، اور کام شروع بھی کر دیا، یہ ساری مشقتیں اٹھا رہا ہے، کوئی اس سے کہے کہ تو یہ جو کام کر رہا ہے، یہ بڑی مشقت کا کام ہے، اسے چھوڑ دے، تو وہ کہتا ہے کہ ہزار مشقتیں قربان، جس کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں، اس کی محبت میں کر رہا ہوں، مجھے تو اسی نر کھودنے میں مزہ آرہا ہے، اس لئے کہ میں اپنی محبوب کی خاطر کر رہا ہوں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

عشق مولیٰ کے کم تو لیلیٰ بود
گوئے گشتن ہر لو لولی بود

مولیٰ کا عشق حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے۔ مولیٰ کے لئے گیند جانا زیادہ لولی ہے، لہذا جب آدمی محبت کی خاطر یہ تکلیفیں اٹھاتا ہے تو پھر بوالطف آنے لگتا ہے۔

تنخواہ سے محبت ہے

ایک آدمی ملازمت کرتا ہے، جس کے لئے صبح کو سویرے اٹھنا پڑتا ہے، ابھی خاصی سردی میں بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ اور جانے کا وقت آگیا تو بستر چھوڑ کر جا رہا ہے، نفس کا قانعہ تو یہ تھا کہ گرم گرم بستر میں پڑا رہتا، لیکن گھر چھوڑ کر بیوی بچوں کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اور سارا دن محنت کی چکی پیسنے کے بعد رات کو کسی وقت گھر واپس آتا ہے۔ اور پیشہ لوگ ایسے بھی ہیں جو صبح اپنے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر جاتے ہیں، اور رات کو واپس آکر سوتا ہوا پاتے ہیں غرضہ شخص یہ تکلیفیں برداشت کر رہا ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ ارے بھائی! تم ملازمت میں بہت تکلیف اٹھا رہے ہو، چلو میں تمہاری ملازمت چھڑا دیتا ہوں۔ وہ جواب دے گا: نہیں، بھائی نہیں بڑی مشکل سے تو یہ ملازمت لگی ہے، اس کو مت چھڑواتا۔ اس کو صبح سویرے اٹھ کر جانے

میں ہی مزہ آرہا ہے، اور اوراد کو بڑی کو چھوڑ کر جانے میں بھی مزہ آرہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کو اس تنخواہ سے محبت ہو گئی ہے جو مہینے کے آخر میں ملنی والی ہے، اس محبت کے نتیجے میں یہ ساری تکلیفیں شیریں بن گئیں، اب اگر کسی وقت ملازمت چھوٹ گئی تو روتا پھر رہا ہے کہ ہائے وہ دن کہاں گئے، جب صبح کو سویرے اٹھ کر جایا کرتا تھا، اور لوگوں سے سفر شیں کرتا پھر رہا ہے کہ مجھے ملازمت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے، اگر محبت کسی چیز سے ہو جائے تو اس راستے کی ساری تکلیفیں آسان اور مزے دار ہو جاتی ہیں، اسی میں لطف آنے لگتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف ضرور ہے، شروع میں مشقت ہوگی، لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ گئے، اور اسکے مطابق عمل شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہوگی، اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس تکلیف میں مزہ آنے لگے گا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مزہ آنے لگے گا۔

عبادت کی لذت سے آشنا کر دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ بڑی عجیب و غریب بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسان کے اس نفس کو لذت اور مزہ چاہئے، اس کی خوراک لذت اور مزہ ہے، لیکن لذت اور مزے کی کوئی خاص شکل اس کو مطلوب نہیں کہ فلاں قسم کا مزہ چاہئے، اور فلاں قسم کا نہیں چاہئے۔ بلکہ اس کو تو مزہ چاہئے، اب تم نے اس کو خراب قسم کے مزے کا علوی بنا دیا ہے، خراب قسم کی لذتوں کا علوی بنا دیا ہے، ایک مرتبہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی لذت سے آشنا کر دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مطابق زندگی گزارنے کی لذت سے آشنا کر دو، پھر یہ نفس اسی میں لذت اور مزہ لینے لگے گا۔

مجھے تو دن رات بے خودی چاہئے

غالب کا ایک مشہور شعر ہے، خدا نے جانے لوگ اس کا کیا مطلب لیتے ہیں

گے، لیکن ہمارے حضرتؑ نے اس کا بڑا اچھا مطلب نکالا ہے وہ شعر ہے ۔

مے سے غرض نشلا ہے کس روسیہ کو

اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

شراب سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں، مجھے تو دن رات لذت کی بے خودی چاہئے۔

تم نے میں مجھے شراب کا عادی بنا دیا تو مجھے شراب میں بے خودی حاصل ہو گئی، شراب میں لذت آنے لگی، اگر تم مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر اور اس کی اطاعت کا عادی بنا دیتے تو یہ بے خودی مجھے اللہ کے ذکر میں حاصل ہو جاتی، میں تو اسی میں خوش ہو جاتا، لیکن یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم نے مجھے ان چیزوں کے بجائے شراب کا عادی بنا دیا۔

نفس کو کچلنے میں مزہ آئے گا

اسی طرح یہ جلدہ شروع میں تو بڑا مشکل لگتا ہے کہ بڑا کفن سبق دیا جا رہا ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرو، اپنے نفس کے خواہشات کی خلاف ورزی کرو نفس تو چلا رہا ہے کہ غیبت کروں، مجلس میں غیبت کرنے کا موضوع چڑھ گیا، اب جی چاہا ہے کہ اس میں بڑھ چھڑ کر حصہ لوں، اب اس وقت اس کو لگام دینا کہ نہیں یہ کام مت کرو، یہ بڑا مشکل کام لگتا ہے، لیکن یاد رکھئے کہ دور دور سے یہ مشکل نظر آتا ہے، جب آدمی نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رمت سے اور فضل و کرم سے مدد بھی ہوگی، اور پھر تم نے اس لذت آرزو اور خواہش کو جو کچلا ہے، اس کچلنے میں جو مزہ آئے گا۔ انشاء اللہ تم انشاء اللہ اس کی حلاوت اس غیبت کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی۔

ایمان کی حلاوت حاصل کر لو

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

ایک شخص کے دل میں تقاضہ پیدا ہوا کہ نگاہ غلط جگہ پڑالوں۔ اور کون شخص

ہے جس کے دل میں یہ تقاضہ نہیں ہوتا، اب دل بڑا کسسا رہا ہے کہ اس کو دیکھ ہی لوں، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خشیت کے خیال سے نظر کو بچالیا۔ اور نگاہ نہیں ڈالی، بڑی تکلیف ہوئی دل پر آ رہے چل گئے، لیکن اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایمان کی ایسی طلوات عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے دیکھنے کی لذت بچا ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے، اور حدیث میں موجود ہے۔ (مسند احمد، جلد ۵ ص ۲۶۳)

یہ وعدہ صرف نگاہ کے گنہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر گنہ چھوڑنے پر یہ وعدہ ہے، مثلاً غیبت میں بڑا حذر آ رہا ہے، لیکن لیک مرتبہ آپ نے اللہ جل جلالہ کے خیال سے غیبت چھوڑ دی، اور غیبت کرتے کرتے رک گئے۔ اللہ کے ڈر کے خیال سے غیبت کا کلمہ زبان پر آتے آتے رک گیا، پھر دیکھو کسی لذت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان گناہوں کی لذتوں کے مقابلے میں اس لذت کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

حاصل تصوف

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی، یاد رکھنے کے لائق ہے، فرمایا: ”وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب دل میں کسی لطاعت کے کرنے میں سستی پیدا ہو، مثلاً نماز کا وقت ہو گیا، لیکن نماز کو جانے میں سستی ہو رہی ہے ”اس سستی کا مقابلہ کر کے اس لطاعت کو کرے، اور جب گنہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گنہ سے بچے“ پھر فرمایا کہ: ”بس! اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے، اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے، اس کو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں“ لہذا انفسانی خواہشات پر آ رہے چلا چلا کر اور ہستہوڑے ملکہ کر جب اس کو کچل دیا، تو اب وہ نفس کچلنے کے نتیجے میں اللہ جل جلالہ کی محبت بن گیا۔

دل تو ہے ٹوٹنے کے لئے

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک مثل دیا کرتے تھے۔ اب تو وہ زندہ چلا گیا، پہلے زمانے میں یونانی حکیم ہوا کرتے تھے، وہ کشتہ بنایا کرتے تھے، سونے کا کشتہ، چاندی کا کشتہ، سنگھیا کا کشتہ، اور نہ جانے کیا کیا کسے تیار کرتے تھے اور کشتہ بنانے کے لئے وہ سونے کو جلاتے تھے اور اتنا جلاتے تھے کہ وہ سونا راکھ بن جاتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ سونے کو جتنا زیادہ جلا یا جائے گا، اتنا ہی اس کا طاقت میں اضافہ ہو گا، اب جلا جلا کر جب کشتہ تیار کیا تو وہ کشتہ طاعتیار ہو گیا، کوئی اسکو ذرا سا کھالے تو پتہ نہیں کہاں کی قوت آجائے گی، تو جب سونے کو جلا جلا کر مٹا مٹا کر پابل کر کے راکھ بنا دیا تو اب یہ کشتہ تیار ہو گیا۔ ہمارے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان خواہشات نفس کو جب کچلو گے، اور کچل کچل کر پیس پیس کر راکھ بنا کر فنا کر دو گے، تب یہ کشتہ بن جائے گا، اس میں اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق کی قوت آجائے گی، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت آجائے گی۔ اب دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بن جائے گا، اس دل کو جتنا توڑو گے، اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب بنے گا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگہ آئینہ سزا میں تم اس پر جتنی چوٹیں لگھو گے، اتنا ہی یہ بنانے والے کی نگاہ میں محبوب ہو گا، بنانے والے نے اس کو اسی لئے بنایا ہے کہ اسے توڑا جائے، اس کی خاطر اس کی خواہشات کو کچلا جائے، اور جب وہ کچل جاتا ہے تو کیا سے کیا بن جاتا ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھا شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

یہ کہہ کے کاسہ سزا نے پیالہ پٹنگ دیا

اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

اور کچھ بنائیں گے، یعنی جو وہ چاہیں گے۔ وہ بنائیں گے، لہذا یہ نہ سمجھو کہ خواہشات نفس کو کچلنے سے جو چوٹیں لگے ہی ہیں، اور جو تکلیف ہو رہی ہے وہ بے کلر جا رہی ہیں بلکہ اس کے بعد جب یہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا محل بنے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے

ذکر اور اس کی یاد کا محل بنے گا۔ اس وقت اس کو جو حلاوت نصیب ہوگی، خدا کی قسم .. اس کے مقابلے میں گناہوں کی یہ ساری لذتیں خاک در خاک ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، اللہ تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ بس! شروع میں تھوڑی سی محنت اور مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اور اسی کا نام مجاہدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو حدیث شریف میں اسی طرح بیان فرمایا کہ:

المجاهد من جاهد نفسه

مجاہد در حقیقت وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنے نفس کی خواہشات کو اللہ کی خاطر کچلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ہر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اپنے نفس کی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونہ بننے سے بچائے، اور ان خواہشات نفس کو قابو کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مجاہدہ کی ضرورت

جس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی



مطبوعہ و ترتیب
محمد عبد الرحمن

مبین اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ ریاست قباور، کراچی ۲۱

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
 ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
 تہذیب و وقت : ۷ مارچی ۱۹۹۱ء بروز جمعہ - بعد نماز عصر
 مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال - کراچی
 کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

اصلی ”مجاہد“ وہ ہے جو نفس سے اس طرح جہاد کرے کہ نفس کی
 خواہشات، نفس کی آرزوئیں، نفس کے تقاضے اس کو ایک طرف بلا
 رہے ہیں۔ لیکن انسان نفس کے ان تقاضوں اور آرزوں کو پامال کر
 کے دوسرا راستہ اختیار کرے، چنانچہ جو شخص اپنی اصلاح کی طرف قدم
 بردھاتا ہے۔ اس کو ”مجاہد“ کہنا ہی پڑتا ہے۔ اور نفسانی خواہشات
 کے خلاف زبردستی کر کے، محنت کر کے، کوشش کر کے کڑوا گھونٹ
 پینا پڑتا ہے۔ اسی کا نام ”مجاہد“ ہے۔

مجاہدہ کی ضرورت

الحمد لله حمداً ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونوقل عليه ونعوذ بالله
من شره، انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا وولانا محمداً
عبداً ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً
اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

(سورة المتكوير: ۶۹)

آلہد بالله صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن

حی ذلک من الشاہدین والشاکرین۔ والحمد للہ رب العالمین
گزشتہ جمعہ کو ”مجلدہ“ سے متعلق جو گزارشات کی تھیں۔ ان کا خلاصہ یہ تھا
کہ ”مجلدہ“ کے معنی یہ ہیں کہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کر کے اللہ جل جلالہ کے حکم
کے مطابق چنے کی فکر کرنا۔ یہ مجلدہ ہے۔ آج اس کی مزید تفصیل عرض کرتی ہے۔ تاکہ
یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ مجلدہ کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اس کی کیا ضرورت
ہے۔؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

دنیاوی کاموں میں ”مجلدہ“

دین کا کام ”مجلدہ“ کے بغیر نہیں چلا، بلکہ دنیا کے کام بھی مجلدے کے بغیر
نہیں ہو سکتے، اگر کوئی شخص روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کو بھاگ دوڑ
کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے اپنے نفس کے تقاضوں کو کچلا پڑتا ہے، اس لئے نفس کا
تقاضہ تو یہ ہے کہ آرام سے گھر میں پڑا سوتا رہے، لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں سوتا رہ
کیا تو روزی کیسے کمائوں گا۔

بچپن سے ”مجلدہ“ کی عادت

بچپن ہی سے بچے کو مجلدے کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ بچے کو جب شروع
شروع میں پڑھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اس کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے۔ پڑھنے کے
لئے جانے کو اس کا دل نہیں چاہتا، لیکن اس کو اس کی طبیعت کے خلاف پڑھنے پر آمادہ
کیا جاتا ہے، یہ ”مجلدہ“ ہے، لہذا تعلیم حاصل کرنے کے لئے، روزی کمانے کے لئے،
بلکہ دنیا کے تمام مقاصد کے لئے انسان کو اپنی طبیعت کے خلاف کرنا پڑتا ہے، اگر انسان یہ
سوچے کہ میں اپنی طبیعت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا، ایسا شخص نہ دنیا کا کوئی مقصد
حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ دین کا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

جنت میں مجلدہ نہ ہوگا

اللہ جلّ جلالہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں۔ ایک عالم وہ ہے جس میں آپ کی ہر خواہش پوری ہوگی، اس میں خواہش کے خلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جو دل چاہے گا، وہ ہوگا۔ اس میں انسان نفس کے خواہش کے مطابق کرنے کے لئے آزاد ہوگا، اس کو اس کے مواقع میسر ہونگے، وہ عالم ”جنت“ ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْنَ اَنْتُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْنُوْنَ۔

(سورۃ حم سورہ: ۳۱)

یعنی جو تمہارا دل چاہے گا، وہ ملے گا، اور جو مانگو گے وہ ملے گا، بعض روایات میں یہ تفصیل آئی ہے کہ مثلاً بیٹھے بیٹھے یہ دل چاہا کہ اند کا جوس پی لوں۔ اب صورت حل یہ ہے کہ قریب میں نہ تو اند ہے، اور نہ اند کا درخت ہے، اور نہ جوس نکلنے والا ہے، لیکن یہ ہوگا کہ جس وقت تمہارے دل میں اس کے پینے کا خیال آیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اند کا جوس نکل کر تمہارے پاس پہنچ جائیگا، اللہ جلّ جلالہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ قدرت عطا فرمائیگے کہ جس چیز کا دل چاہے گا، وہ ملے گا، وہاں پر تمہیں کسی خواہش کو کچلنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی نقاضے کو دبانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی خواہش کے خلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کسی مجلدے کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ عالم جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے وہ عالم عطا فرمادے۔ آمین۔

عالم جہنم

دوسرا عالم اس کے بالکل برعکس ہے، وہاں ہر کام طبیعت کے خلاف ہوگا، ہر کام دکھ دینے والا ہوگا، ہر کام غم میں مبتلا کرنے والا، ہر کام میں تکلیف اور مصیبت ہوگی، کوئی آرام، کوئی راحت اور کوئی خوشی نہیں ہوگی، وہ عالم دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

یہ عالم دنیا ہے

تیسرا عالم وہ ہے جس میں طبیعت کے مطابق بھی کام ہوتے ہیں، اور طبیعت کے خلاف بھی کام ہوتے ہیں، خوشی بھی حاصل ہوتی ہے، غم بھی آتا ہے، تکلیف بھی پہنچتی ہے، راحت بھی ملتی ہے، اس عالم میں کسی کی کوئی تکلیف خالص نہیں، کوئی راحت خالص نہیں، ہر راحت میں تکلیف کا کوئی کٹنا لگا ہوا ہے، اور ہر تکلیف میں راحت کا پہلو بھی ہے۔ یہ عالم دنیا ہے، اس دنیا میں آپ بڑے سے بڑے مربیہ دار، بڑے سے بڑے دولت مند، بڑے سے بڑے صاحب وسائل سے پوچھ لیجئے کو تمہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہے یا نہیں؟ یا تم ساری عمر آرام اور اطمینان سے رہے؟ کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں۔ ملے گا جو یہ کہہ دے کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور کوئی کام میری طبیعت کے خلاف نہیں ہوا، اس لئے کہ یہ عالم دنیا ہے، جنت نہیں ہے، یہاں راحت بھی پہنچے گی، تکلیف بھی پہنچے گی، یہ دنیا تو اسی کام کے لئے بنائی گئی ہے، کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھے راحت ہی راحت ملے، کبھی تکلیف نہ ہو، تو ایسا کبھی زندگی بھر نہیں ہو سکا، ایک شاعر نے کہا ہے کہ۔

قید حیات بند و غم اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

لہذا یہ دنیا اللہ جل جلالہ و تعالیٰ نے اسی کام کے لئے بنائی ہے کہ اس میں تمہارے دل کو راحتیں بھی ملیں گی، اور اس کو توڑنے والے اسباب اور حالات بھی پیدا ہونگے، اس لئے جیتے جی مرتے دم تک غم سے نجات ممکن نہیں۔ اور تو اور انبیاء علیہم السلام جو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں، ان کو بھی تکلیفیں پیش آئیں، بلکہ بسا اوقات عام لوگوں سے زیادہ پیش آئیں، ان کو بھی طبیعت کے خلاف واقعات پیش آئے، اس دنیا کے اندر کوئی انسان بھی ان سے بچ نہیں سکا، اگر انسان کافر بن کر رہے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا، اگر مومن بن کر رہے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا۔

یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کر لو

لہذا جب اس دنیا میں طبیعت کے خلاف باتیں پیش آتی ہی ہیں، تو پھر طبیعت کے خلاف کام کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ طبیعت کے خلاف کام بھی کر دو، صدے بھی اللہ کی تکلیفیں بھی برداشت کرو، لیکن ان تکلیفوں کے بدلے میں آخرت میں کوئی نتیجہ نہ نکلے، اس غم سے آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے خلاف کام کرے، نفس کے تقاضے کو کچلے، ماکہ آخرت سنور جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت یہ ہے کہ اس دنیا میں طبیعت کے خلاف تو ہونا ہی ہے۔ تمہارا دل چاہے، یا نہ چاہے، لیکن ایک مرتبہ یہ عہد کر لو کہ طبیعت کے خلاف وہ کام کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

مثلاً نماز کا وقت ہو گیا۔ مسجد سے پکار آ رہی ہے، لیکن جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ اور سستی ہو رہی ہے، تو اب لیک راستہ یہ ہے کہ دل کے چاہنے پر عمل کر لیا، اور بستر پر لیٹے رہے، اور اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، معلوم ہوا کہ دروازے پر ایک میا آدمی آگیا ہے جس کے لئے نکلنا ضروری ہے، چنانچہ اس کی خاطر بستر چھوڑا، اور باہر نکل گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ طبیعت کے خلاف بھی ہوا۔ خواہش کے خلاف بھی ہوا، اور آرام بھی نہیں ملا، تکلیف جوں کی توں رہی۔ لہذا آدمی یہ سوچے کہ تکلیف سے بچتا تو میرے قبضہ اور قدرت میں نہیں ہے، اس لئے کیوں نہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے تکلیف برداشت کر لوں۔ یہ سوچ کر اس وقت انھد کر نماز کے لئے چلا جائے۔

اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آجائے

ہمارے حضرت ذاکر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ہمارے لئے بڑی کلام باتیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے کہ بھئی! اگر تمہیں نماز کے لئے جانے میں سستی ہو رہی ہو یا کسی دین کے کام میں سستی ہو رہی ہو، مثلاً فجر کی نماز کے لئے یا تہجد

کی نماز کے لئے سستی ہو رہی ہے۔ آنکھ تو کھل گئی، مگر نیند کا غلبہ ہے، بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اس نیند کے غلبے کے عالم میں اگر تہمدے پاس یہ پیغام آجائے کہ سررلو مملکت تمہیں بہت بڑا اعزاز دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ اعزاز اسی وقت تمہیں ملے گا، تو یہ ہنسو کہ اس وقت وہ نیند اور وہ سستی باقی رہے گی؟ ظاہر ہے کہ وہ نیند اور سستی سب غائب ہو جائیگی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تہمدے دل میں اس اعزاز کی قدر و منزلت ہے، جس کی وجہ سے تم طبیعت کے خلاف کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے، اور یہ سوچو گے کہ کہل کی غفلت، کہل کی نیند، اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے دوڑ جاؤ، اگر یہ موقع نکل گیا تو پھر ہاتھ آنے والا نہیں، چنانچہ اس کام کے لئے نیند اور آرام چھوڑ کر فوراً نکل کھڑے ہو گے لہذا جب تم ایک دنیا کے بادشاہ سے اعزاز حاصل کرنے کے لئے نیند چھوڑ سکتے ہو، اپنی راحت چھوڑ سکتے ہو، تو پھر اللہ جل جلالہ اور احکم الحاکمین کو راضی کرنے کے لئے راحت اور نیند نہیں چھوڑ سکتے؟ جب کسی نہ کسی وجہ سے راحت اور نیند چھوڑنی ہے تو پھر کیوں نہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے راحت و آرام چھوڑا جائے؟

اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو گا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی پیغام ہے کہ اپنے نفس کو طبیعت کے خلاف ایسے کام کرنے کی عادت ڈالو جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے ہوں، اسی کا نام ”مجاہدہ“ ہے۔ جو صدے اور جو تکلیفیں غیر اعتیادی طور پر پہنچ رہی ہیں، بظاہر ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو لوگ ہماری خاطر یہ ”مجاہدہ“ کریں گے، ہماری خاطر نفس کے خلاف کام کریں گے تو ہم ضرور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلیں گے،

وَالَّذِينَ جَاءُوا فَبَيَّنَّا لَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْ مَّا يُغْتَرَبُونَ فِيهِ وَقَالُوا إِنَّ اللَّهَ لَعَ الْمُحْسِنِينَ
اور وہ راستہ پر تھما نہیں ہو سکے، بلکہ جو شخص اس راستے پر چل رہا ہے، وہ محسنین میں سے ہے، اور اللہ جہدک و تعالیٰ محسنین کا ساتھی بن جاتا ہے۔

وہ کام آسان ہو جائیگا

اللہ تبارک و تعالیٰ کیسے من کا ساتھی بن جاتا ہے؟ اس طرح کہ شروع میں نفس کی مخالفت میں بڑی دشواری معلوم ہو رہی تھی، طبیعت کے خلاف کرنا بڑا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے تو پھر وہی راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں۔ ایک شخص کو نماز کی عادت نہیں ہے، نماز پڑھنا بھلائی معلوم ہوتا ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھنا مشکل لگتا ہے۔ لیکن اس نے نفس کے اس تقاضے کے باوجود نماز پڑھنی شروع کر دی، یہاں تک کہ نماز کا عادی بن گیا، اب عادی بننے کے بعد اسی شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ نماز پڑھنے میں کوئی مشقت ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہزار روپے لے لو، اور آج کی نماز چھوڑ دو، بتائیے کیا وہ شخص نماز چھوڑنے پر راضی ہو گا؟ ہرگز نہیں، جو شخص ایک مرتبہ نماز کا عادی بن گیا، وہ کبھی ہزاروں روپے لے کر بھی ایک نماز چھوڑنے پر راضی نہیں ہو گا، اس لئے کہ جس کام کو پہلے وہ مشکل سمجھ رہا تھا، تھوڑے سے عرصے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو آسان کر دیا۔

آگے قدم تو بڑھالو

یہی حل پورے دین کا ہے، اگر انسان پیشہ کر سوچتا رہے تو اس کو مشکل نظر آئیگا، لیکن جب دین کے راستے پر چلنا شروع کر دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے آسان فرما دیتے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثل دیا کرتے تھے کہ ایک لمبی سڑک سیدھی جلدی ہو، اور اس کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہوں، دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی، اب اگر کوئی شخص اس سڑک پر کھڑا ہو کر دیکھے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ درختوں کی دونوں قطاریں آپس میں آگے جا کر مل گئی ہیں۔ اور آگے راستہ بند ہے، اگر کوئی احمق شخص یہ کہے کہ چونکہ آگے چل کر درختوں کی قطاریں آپس میں مل گئی ہیں۔ اس لئے اس سڑک پر چلنا بیکار ہے، تو یہ شخص کبھی راستہ قطع نہیں کر سکے گا، اور کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا، وہی شخص منزل تک

پہنچ سکے گا، اور اسے کو بند دیکھنے کے باوجود آگے قدم بڑھائے گا۔ اس لئے کہ جب وہ آگے قدم بڑھایگا تو اسے نظر آئے گا کہ حقیقت میں راستہ بند نہیں تھا، بلکہ آنکھیں دھوکہ دے رہی تھیں، جوں جوں وہ آگے بڑھتا چلا جائیگا، راستے کھلتے چلے جائیں گے، اس لئے دین کے راستے پر چلنے والوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دور دور سے مشکل سمجھ کر مت بیٹھ جاؤ، اللہ کے بھروسے پر آگے قدم بڑھانا شروع کر دو، جب آگے قدم بڑھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راستہ آسان فرما دیں گے۔ البتہ ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، اور طبیعت کے خلاف کام کرنے کا عزم کرنا پڑے گا۔ اور اسی کا نام ”مجلدہ“ ہے۔

جائز کاموں سے رکنا بھی مجلدہ ہے

اصل مجلدہ تو یہ ہے کہ انسان جو ناجائز اور شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچائے، اور اپنے نفس پر زبردستی دباؤ ڈال کر ان سے باز رہے، لیکن چونکہ ہمارا نفس لذتوں کا، خواہشات کا اور راحتوں کا عادی ہو چکا ہے۔ اور اتنا زیادہ عادی بنا ہوا ہے کہ اگر اس کو اللہ کے راستے کی طرف اور شریعت کی طرف موڑنا چاہو تو آسانی سے نہیں مڑتا، بلکہ دشواری پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس نفس کو رام کرنے کے لئے اور اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے تابع بنانے کے لئے اس کو بعض مہلح اور جائز کاموں سے بھی روکنا پڑتا ہے، اس لئے کہ جب نفس کو جائز کاموں سے روکیں گے تو پھر اس کو لذتوں کو چھوڑنے کی عادت پڑے گی، اور پھر اس کے لئے ناجائز امور سے بچنا بھی آسان ہو جائیگا، صوفیاء کرام کی اصلاح میں اس کو بھی ”مجلدہ“ کہا جاتا ہے۔

مثلاً خوب پیٹ بھر کر کھانا کئی گناہ کا کام نہیں، لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خوب پیٹ بھر کر مت کھاؤ، اس لئے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ نفس غفل ہو جائیگا، اور لذتوں کا خوگر ہو جائیگا، اس لئے نفس کو عادی بنانے کے لئے کھانے میں تنہوئی سی کی کر دو، یہ بھی ”مجلدہ“ ہے۔

جائز کاموں میں مجلہ کیوں؟

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا بات ہے کہ صوفیاء کرام بعض جائز کاموں سے بھی روک دیتے ہیں؟ اور ان کو چھڑا دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جائز قرار دیا ہے؟ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو اس کی مثل یہ ہے کہ یہ کتب کا ورق ہے، اس ورق کو موڑو، موڑ دیا، اچھا اس کو سیدھا کر دو، اب وہ ورق سیدھا نہیں ہوتا، بہت کوشش کر لی۔ لیکن وہ دوبارہ مڑ جائیگا پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس ورق کو مخالف سمت میں موڑ دو، یہ سیدھا ہو جائیگا، پھر فرمایا کہ یہ نفس کا کٹھن بھی گناہوں کی طرف مڑا ہوا ہے، معصیتوں کی طرف مڑا ہوا ہے، اب اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ سیدھا نہیں ہوگا، اس کو دوسری طرف موڑ دو، اور تھوڑے سے مباحات بھی چھڑا دو جس کے نتیجے میں یہ بالکل سیدھا ہو جائیگا۔ اور راستے پر آجیگا، یہ بھی ”مجلہ“ ہے۔

چار مجلہات

چنانچہ صوفیاء کرام کے یہاں چار چیزوں کا مجلہ کرنا مشہور ہے، ۱۔ تغلیل طعام، کم کھانا۔ ۲۔ تغلیل کلام، کم بولنا۔ ۳۔ تغلیل منام، کم سونا، ۴۔ تغلیل الاغلاط مع الاثام، لوگوں سے کم ملنا۔

کم کھانے کی حد

۱۔ تغلیل طعام، کم کھانا۔ پہلے زمانے میں صوفیاء کرام کم کھانے پر بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے، یہاں تک کہ فاقہ کشی تک فوت آجاتی تھی، لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ یہ زمانہ اب اس قسم کی مجلہدوں کا نہیں ہے، اب تو لوگوں ویسے ہی کمزور ہیں۔ اگر کھانا کم کر دیں گے تو اور بیلہاں آجائیں گی، اور اس کے نتیجے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلے جو عبادت کرتا تھا، اس سے بھی محروم ہو جائے۔ اس لئے فرمایا کہ آج کے دور میں انسان ایک بات کی پابندی کر لے تو پھر تغلیل طعام کا مقصد حاصل ہو جائے گا، وہ یہ کہ جب کھانا کھانے

بیٹھ۔ تو کھانا کھاتے وقت ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ اس وقت دل میں یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ اب مزید کھلوں یا نہ کھلوں؟ کچھ اور کھلوں یا نہ کھلوں؟ بس جس وقت یہ تردد کا مرحلہ آئے، اس وقت کھانا چھوڑ دو، اس سے تغلیل طعام کا فضا پورا ہو جائے گا۔ اور یہ جو تردد پیدا ہوتا ہے کہ مزید کھلوں یا نہ کھلوں؟ یہ عقل اور طبیعت کے درمیان لڑائی ہوتی ہے۔ کیونکہ کھانا کھانے میں مزہ آرہا ہے، تو اب نفس یہ تقاضہ کر رہا ہے کہ اور کھانا کھا کر مزہ لے لے، اور عقل کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اب مزید کھانا مت کھو، اب مزید کھلو گے تو کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ، نفس اور عقل کے درمیان یہ لڑائی ہوتی ہے، اور اس لڑائی کا نام تردد ہے، لہذا ایسے موقع پر نفس کے تقاضے کو چھوڑ دو، اور عقل کے تقاضے پر عمل کر لو۔

وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی

یہ مضمون میں نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنا، اور مواعظ میں بھی پڑھا، نیکین بعد میں ایک ماہر ڈاکٹر کا مضمون نظر سے گزرا، جس میں لکھا تھا کہ: آج کل لوگ اپنے بدن کا وزن کم کرنے کے لئے طرح طرح کے نسخے استعمال کرتے ہیں۔ کسی نے روٹی چھوڑ دی۔ کسی نے دوپہر کا کھانا چھوڑ دیا۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو "ڈائٹنگ" کہتے ہیں۔ یورپ میں اس کا بہت رواج ہے، یہ چیز وہاں وہاں کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کا وزن کم ہو جائے۔ اور خاص طور پر خواتین میں اس کا اتنا رواج ہے کہ گولیاں کھا کھا کر وزن کم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور بعض اوقات اس میں مر بھی جاتی ہیں۔

اس کے بعد وہ ڈاکٹر لکھتا ہے کہ میرے نزدیک وزن کم کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی نہ تو کسی وقت کا کھانا مستقل چھوڑے، نہ روٹی کم کرے، بلکہ ساری عمر اس کا معمول بنالے کہ جتنی بھوک ہے۔ اس سے تھوڑا سا کم کھا کر کھانا بند کر دے۔ اس کے بعد اس ڈاکٹر نے بعینہ یہ بات لکھی ہے کہ جس وقت کھانا کھاتے ہوئے یہ تردد ہو جائے کہ کھانا کھلوں یا نہ کھلوں، اس وقت کھانا چھوڑ دے، جو شخص

اس پر عمل کرے گا، اس کو کبھی بدن بڑھنے کی اور معدے کے خراب ہونے کی شکایت نہیں ہوگی، اور نہ اس کو ڈیپٹنگ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

یہی بات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کئی سال پہلے لکھ گئے تھے۔ اب چاہو تو وزن کم کرنے کی خاطر اس پر عمل کر لو، چاہو تو اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اس مشورے پر عمل کر لو۔ لیکن اگر نفس کے علاج کے طور پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کرو گے تو اس کام میں اجر و ثواب بھی ملے گا، اور وزن بھی کم ہو جائے گا۔ اور اگر صرف وزن کم کرنے کی خاطر کرو گے تو شاید وزن تو کم ہو جائے گا۔ لیکن اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

نفس کو لذت سے دور رکھا جائے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہمارے لئے یہ عمل کتنا آسان کر دیا۔ ورنہ پہلے زمانے میں تو صوفیاء کرام خدا جانے کیا کیا ریاضتیں کرایا کرتے تھے، صوفیاء کرام کے یہاں ننگر ہوا کرتے تھے، اس ننگر کے اندر شور باجنا تھا۔ خانقاہ میں جو مریدین ہوا کرتے تھے، ان کو یہ حکم ہوتا تھا کہ جس کے پاس ایک پیالہ شور بے کا آئے تو وہ اس شور بے میں ایک پیالہ پانی ملائے، اور پھر کھائے، تاکہ نفس کو لذت گیری کی قید سے آزاد کیا جائے، اس کے علاوہ ان سے فاسقے بھی کرواتے تھے۔ لیکن وہ زندہ اور تھا، اور آج کل کا زمانہ اور ہے، جیسے طب کے اندر زمانے کے بدلنے سے علاج کے طریقے بدل جاتے ہیں۔ اس طرح حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ہمارے زمانے کے لحاظ سے، ہمارے مزاجوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نئے تجویز کر گئے، تقلیل طعام کا یہ نسخہ ہمارے لئے تجویز کر گئے، جس سے تقلیل طعام کا نشا حاصل ہو جائے گا۔

پیٹ بھرے کی مستی

پورا پیٹ بھر کر اس طرح کھانا کہ اس کا کوئی حصہ خالی نہ رہے، اگرچہ فقہی اعتبار سے ناجائز نہیں۔ حرام نہیں، لیکن یہ انسان کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی بیماریوں کا سبب اور ذریعہ ہے، اس لئے کہ جتنی معصیتیں اور بخرمیاں ہیں۔ وہ سب

بھرے ہوئے پیٹ پر سو جھتی ہیں، اگر آدمی کا پیٹ بھرا ہوا نہ ہو تو یہ گنلہ اور بھرمائیاں نہیں سو جھتیں، اس لئے حکم یہ ہے کہ ”شیعہ“ یعنی پیٹ بھرے ہونے سے اپنے آپ کو بچلا چاہئے۔ اسی کام ”تقلیل طعام“ کا مجلد ہے۔

کم بولنا ”ایک مجلد“ ہے

دوسری چیز ہے ”تقلیل کلام“ بات کم کرنا۔ یعنی صبح سے شام تک یہ ہماری زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے، اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ جو منہ میں آ رہا ہے۔ انسان بول رہا ہے، یہ صورت حل غلط ہے۔ اس لئے جب تک انسان اس زبان کو لگام نہیں دے گا، اور اس کو قابو نہیں کرے گا، اس وقت تک یہ گنلہ کرتی رہے گی، یاد رکھیے، حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو لونڈے منہ جنم میں ڈالنے والی چیز اس کی زبان ہے، اس لئے کہ جب زبان کو آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ اس پر روک ٹوک نہیں ہے تو پھر وہ زبان جھوٹ میں جھلا ہوگی۔ فحیبت میں جھلا ہوگی، دل آزاری میں جھلا ہوگی، ان گناہوں کے سبب وہ جنم میں جائے گا۔

زبان کے گناہوں سے بچ جائے گا۔

اس لئے انسان کو ”تقلیل کلام“ کا مجلد کرنا پڑتا ہے کہ بات کم کرے، زبان سے فضول بات نہ نکالے، ضرورت کے مطابق بات کرے، اور بولنے سے پہلے یہ سوچے کہ یہ بات کرنا میرے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ کہیں گنلہ کی بات تو نہیں، اور بلاوجہ زبان چلانے سے بچے، اور پھر آہستہ آہستہ انسان کم بولنے کا عادی ہو جاتا ہے، پھر یہ ہوتا ہے کہ بولنے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن اس نے اپنی اس خواہش کو دبا دیا تو اس کے نتیجے میں زبان پر قابو پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ جھوٹ، فحیبت اور اس طرح کے دوسرے گناہوں میں جھلا نہیں ہوتا۔

جائز تفریح کی اجازت ہے

یہ جو فضیل قسم کی مجلس آرہی ہوتی ہے، جس کو آج کل کی اصطلاح میں گپ شپ کہا جاتا ہے، کوئی دوست مل گیا تو فوراً اس سے کہا کہ آؤ ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں، یہ گپ شپ لانا انسان کو گنہ کی طرف لے جاتی ہے۔ ہاں! شریعت نے ہمیں تھوڑی بہت تفریح کی بھی اجازت دی ہے۔ نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

روحوا القلوب ساعة فساعة

(کھولنا سال: ۵۳۵۳)

یعنی دلوں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے آرام بھی دیا کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قریب جلیے کہ ہمارے مزاج، ہماری نفسیات اور ہماری ضروریات کو ان سے زیادہ پہچاننے والا اور کون ہوگا، وہ جانتے ہیں کہ اگر ان سے کہا گیا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کچھ نہ کرو، ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہو تو یہ ایسا جس کر سکیں گے۔ اس لئے کہ یہ فرشتے نہیں ہیں۔ یہ تو انسان ہیں۔ ان کو تھوڑے سے آرام کی بھی ضرورت ہے، تھوڑی سی تفریح کی بھی ضرورت ہے، اس لئے تفریح کے لئے کوئی بات کرنا، خوش طبعی کے ساتھ ہنس بول لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے۔ بلکہ پسندیدہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ لیکن اس میں زیادہ منہمک ہو جانا کہ اسی میں کئی کئی گھنٹہ برباد ہو رہے ہیں قیمتی اوقات ضائع ہو رہے ہیں تو یہ چیز انسان کو لازمی طور پر گنہ کی طرف بچانے والی ہے۔ اس لئے فرمایا جلد ہا ہے کہ تم باتیں کم کرنے کی عادت ڈالو، اور یہ بھی ”مجلدہ“ ہے۔

مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے۔ جب کبھی آتے تو بس ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتے، اور رکنے کا نام نہ لیتے، ہمارے سب بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان بن کر ملنے کے لئے آتا تو اس کا اکرام کرتے، اس کی بات

سننے، اور حتی الامکان اس کی تفسیر کی کوشش کرتے، یہ کام ایک مصروف آدمی کے لئے بڑا مشکل ہے، جن لوگوں کی زندگی مصروفیات سے بھری ہو، وہ جان سکتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ سے کوئی شخص ملنے کے لئے آتا، اور آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی طرف سے کبھی منہ نہیں موڑتے تھے، جب تک وہ خود ہی منہ نہ موڑ لے، اس کی بات سننے رچتے تھے، چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ:

حتى يكون هو المتصرف

(شمائل ترحی، باب ما یاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حتی کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے، یہ کام بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ بعض لوگ یہی بتا کرتے کے عادی ہوتے ہیں، ان کی پوری بات پوری توجہ سے سننا ایک مشکل کام ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آنے والے کی بات سننے، اس کی تفسیر کرتے،

اصطلاح کا ایک طریقہ

لیکن اگر کوئی شخص اصطلاح کی غرض سے آتا تو اس پر روک ٹوک ہوتی تھی، ہر حال! وہ صاحب آکر باتیں شروع کر دیتے۔ اور حضرت والد صاحب مسکینیت سے اس کی باتیں سننے رچتے، ایک دن ان صاحب نے آکر حضرت والد صاحب سے بیعت کی درخواست کی کہ حضرت! میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، میرے لئے کوئی وظیفہ کوئی تسبیح بتا دیجئے، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارے لئے کوئی تسبیح اور وظیفہ نہیں ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ زبان کو قابو میں کرو، اس پر تالا ڈالو، تم جو ہر وقت بولتے رہتے ہو، زبان نہیں رکھتی، یہ غلط ہے۔ آئندہ جب آؤ تو بالکل خاموش بیٹھے رہو، زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ اب اس پابندی کے نتیجے میں ان صاحب پر قیامت گزر گئی۔ یہ خاموش بیٹھنے کا مجاہدہ ان کے لئے بزر مجاہدوں سے بھاری تھا۔ اب یہ ہوتا کہ ہر بار ان کے دل میں بولنے کا قضاہ پیدا ہوتا، لیکن پابندی کی وجہ سے نہ بولنے پر مجبور ہیں۔ اور اسی علاج کی وجہ سے اللہ جل جلالہ نے سارا طریق طے کرا

دیا۔ اس لئے کہ حضرت والد صاحب یہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی بنیادی بیماری یہ ہے، جب یہ قہر میں آجائے گی تو سب کام آسان ہو جائے گا، چنانچہ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ ہر ایک کی بیماری الگ الگ ہے، لہذا حالات کو دیکھ کر شیخ علاج تجویز کرتا ہے کہ اس کے لئے کونسا علاج مفید ہو گا، ہر حال یہ ”تقلیل کلام“ کا مجلہ ہے۔

کم سونا

تیسرا مجلہ ہے ”تقلیل منام“ یعنی کم سونا، اس میں بھی پہلے تو نہ سونے کا مجلہ ہوتا تھا، چنانچہ جیسا کہ مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ کم سونے کی حد یہ ہے کہ آدمی کو دن رات میں کم از کم چھ گھنٹے ضرور سونا چاہئے، چھ گھنٹے سے کم نہ کرے، ورنہ بیمار ہو جائے گا۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو بے وقت سونے کی عادت ہے تو وہ اس کو ختم کرے، یہ بھی کم سونے کی حد میں داخل ہے، اور یہ بھی ”مجلہ“ ہے۔

لوگوں سے تعلقات کم رکھنا

چوتھا مجلہ ہے ”تقلیل الاختلاط مع الانام“ یعنی لوگوں سے میل جول کم کرنا، اور بہت زیادہ میل جول سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ انسان کے جتنے زیادہ تعلقات ہو گئے، اتنی ہی گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ تجربہ کر کے دیکھ لو، آج کل تو تعلقات بڑھانا باقاعدہ ایک فن اور ہنر بن گیا ہے، جس کو ”پبلک ریلیشن“ (Public Relation) کہا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ تعلقات زیادہ پیدا کرو، اور اپنا اثر رسوخ بڑھاؤ، اور ان تعلقات کی بنیاد پر اپنا کام نکالو، لیکن ہمارے بزرگوں نے اس سے منع فرمایا ہے کہ بلا ضرورت تعلقات نہ بڑھائے جائیں۔ بلکہ تعلقات کو کم کیا جائے۔

دل ایک آئینہ ہے

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے دل کو ایک آئینہ بنایا ہے، جو تصویر انسان کے سامنے سے گزرتی ہے، اس کا عکس دل پر جم جاتا ہے، لہذا جب انسان کے تعلقات زیادہ ہونگے تو اس میں پھر اچھے لوگ بھی آئیں گے، اور برے بھی آئیں گے، اور جب برے کاموں میں مصروف لوگ ملاقات کریں گے تو ان کے کاموں کا عکس دل پر پڑے گا، اور اس سے دل خراب ہوگا، اس لئے فرمایا کہ دوسرے لوگوں سے بلا ضرورت زیادہ نہ ملو، دوسرے لوگوں سے تعلقات جتنے کم ہوں گے، اتنا ہی اللہ جل شانہ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

تعلق چلبند است وبے حاصلی

چلر پیوند حاصلی

یعنی یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں حیل اور پردے بن جاتے ہیں، دنیا کی جتنی محبتیں بڑھیں گی کہ اس سے کبھی محبت ہے، اس سے بھی محبت ہے اتنا ہی اللہ جل شانہ سے تعلق میں کمی آئے گی، البتہ جو حقوق العباد ہیں۔ وہ بے شک ادا کرنے میں، ان میں کوتاہی نہیں کرتی۔ ہے۔ لیکن بلاوجہ تعلقات نہیں بڑھانا چاہئے، اسی کا نام ”تفصیل الاختلاط مع الناس“ ہے۔

ہر حال یہ مجاہدات اس لئے کرائے جاتے ہیں، تاکہ ہمارے نفس قابو میں آجائے۔ اور ناجائز کاموں پر اسکا چھوڑ دے، اس لئے یہ مجاہدات ہر انسان کو کرنے چاہئیں اور بہتر یہ ہے کہ یہ مجاہدات کسی رہنما کی نگرانی میں کرے، خود اپنی مرضی اور اپنے فیصلے سے نہ کرے۔ اس لئے اگر انسان خود سے یہ فیصلہ کرے گا کہ میں کتنا کھلوں، کتنا کھلوں، کتنا سوؤں، کتنا نہ سوؤں، کتنے لوگوں سے تعلقات رکھوں۔ کن سے تعلقات نہ رکھوں تو اس میں بے اعتدالی ہو سکتی ہے لیکن جب کسی ہنگام ہنگامی کام کر لیا تو انشاء اللہ اسکے فوائد حاصل ہونگے، اور ہر کام اعتدال میں رہ کر ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین